اعتقادِ تقدیر استعمالِ تدبیر کے ساتھ ہونا چاہئے بے تدبیری کا نام توکل رکھنا غلط ہے

اس آیت نے مسئلہ تقدیر اور مسئلہ توکل کی اصل حقیقت بھی واضح کردی، کہ تقدیر و توکل پر یقین رکھنے کا یہ حاصل نہ ہونا چاہئے کہ آدمی ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بیٹھ جائے، اور یہ کہے کہ جو کچھ قسمت میں ہوگا وہ ہو جائیگا بلکہ ہونا یہ چاہئے کہ اسباب اختیاریہ کے لئے اپنی پوری توانائی اور ہمت صرف کی جائے اور بحد قدرت اسباب جمع کرنے کے بعد معاملہ کو تقدیر و توکل کے حوالہ کریں، نظر صرف اللہ تعالیٰ پر رکھیں کہ نتائج ہر کام کے اسی کے قبضہ قدرت میں ہیں ۔

مسئلہ تقدیر و توکل میں عام دنیا کے لوگ بڑی افراط و تفریط میں پائے جاتے ہیں ، کچھ بے دین لوگ تو وہ ہیں جو سرے سے تقدیر و توکل کے قائل ہی نہیں انھوں نے مادی اسباب ہی کو خدا بنایا ہوا ہے ، اور کچھ ناواقف ایسے بھی ہیں جنھوں نے تقدیر و توکل کو اپنی کم ہمتی اور بیکاری کا بہانہ بنالیا ہے ، رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی جہاد کے لئے پوری پوری تیاری اور اس کے بعد اس آیت کے نزول نے اس افراط و تفریط کو ختم کرکے صحیح راہ دکھلادی کہ "بر توکل زانوئے اشتر ببند" یعنی اسباب اختیاریہ بھی اللہ تعالیٰ ہی کی دی ہوئی نعمت ہیں، ان سے فائدہ نہ اٹھانا ناشکری اور بیوقوفی ہے ، البتہ اسباب کو اسباب کے درجہ سے آگے نہ بڑھاؤ ، اور عقیدہ یہ رکھو کہ نتائج و ثمرات ان اسباب کے تابع نہیں ، بلکہ فرمانِ حق جل شانہ کے تابع ہیں ۔

نویں آیت نے مردِ مؤمن کی ایک عالی شان کا ذکر کرکے اُن کی مصیبت پر خوش ہونیوالے منافقین کو یہ جواب دیدیا کہ تم جس چیز کو ہمارے لئے مصیبت سمجھ کر خوش ہوتے ہو ہمارے نزدیک وہ مصیبت بھی مصیبت نہیں ، بلکہ راحت و کامیابی ہی کی ایک دوسری صورت ہے، کیونکہ مردِ مؤمن اپنے عزم میں ناکام ہو کر بھی دائمی اجر و صلہ کا مستحق بنتا ہے، جو ساری کامیابیوں کا مقصود اصلی ہے، اس لئے وہ ناکام ہو کر بھی کامیاب رہتا ہے، اور بگڑنے میں بھی بنتا ہے ؎

وہ شوخی چلی سی باد صبا کی ؎ بگڑنے میں بھی زلف اس کی بنا کی

مذکورہ آیت میں هَلْ تَرَبَّصُونَ بِنَا إِلَّا إِحْدَى الْحُسْنَيَيْنِ کا یہی مطلب ہے اس کے ساتھ ہی یہ بھی بتلا دیا کہ کفار کا حال اس کے بالکل برعکس ہے، کہ ان کو کسی حال عذاب مصیبت سے چھٹکارا نہیں، یا تو دنیا ہی میں مسلمانوں کے ہاتھوں اُن پر خدا کا عذاب آجائیگا، اور اس طرح دنیا و آخرت دونوں میں وہ عذاب چکھیں گے، اور اگر دنیا میں کسی طرح اس سے بچ گئے تو آخرت کے عذاب سے خلاصی کا کوئی امکان نہیں ۔

قُلْ أَنْفِقُوا طَوْعًا أَوْ كَرْهًا لَنْ يُتَقَبَّلَ مِنْكُمْ ۖ إِنَّكُمْ كُنْتُمْ قَوْمًا

کہدے کہ مال خرچ کرو خوشی سے یا ناخوشی سے ہرگز قبول نہ ہوگا تم سے بیشک تم نافرمان

فٰسِقِينَ ﴿۵۳﴾ وَمَا مَنَعَهُمْ أَنْ تُقْبَلَ مِنْهُمْ نَفَقٰتُهُمْ إِلَّا أَنَّهُمْ

لوگ ہو ، اور موقوف نہیں ہوا قبول ہونا ان کے خرچ کا مگر اسی بات پر

كَفَرُوا بِاللّٰهِ وَبِرَسُولِهِ وَلَا يَأْتُونَ الصَّلٰوةَ إِلَّا وَهُمْ

کہ وہ منکر ہوئے اللہ سے اور اس کے رسول سے اور نہیں آتے نماز کو مگر ہارے جی

كُسَالٰى وَلَا يُنْفِقُونَ إِلَّا وَهُمْ كٰرِهُونَ ﴿۵۴﴾ فَلَا تُعْجِبْكَ

سے اور خرچ نہیں کرتے مگر بُرے دل سے ، سو تو تعجب نہ کر

أَمْوَالُهُمْ وَلَا أَوْلَادُهُمْ ۚ إِنَّمَا يُرِيدُ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ بِهَا

ان کے مال اور اولاد سے ، یہی چاہتا ہے اللہ کہ ان کو عذاب میں رکھے

فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَتَزْهَقَ أَنْفُسُهُمْ وَهُمْ كٰفِرُونَ ﴿۵۵﴾ وَ

ان چیزوں کی وجہ سے دنیا کی زندگی میں اور نکلے ان کی جان اور وہ اس وقت تک کافر ہی رہیں

يَحْلِفُونَ بِاللّٰهِ إِنَّهُمْ لَمِنْكُمْ وَمَا هُمْ مِنْكُمْ وَلٰكِنَّهُمْ قَوْمٌ

اور قسمیں کھاتے ہیں اللہ کی کہ وہ بیشک تم میں ہیں اور وہ تم میں نہیں ولیکن وہ لوگ

يَفْرَقُونَ ﴿۵۶﴾ لَوْ يَجِدُونَ مَلْجَأً أَوْ مَغٰرٰتٍ أَوْ مُدَّخَلًا

ڈرتے ہیں تم سے ، اگر وہ پاویں کوئی پناہ کی جگہ یا غار یا سر گھسانے کو جگہ تو

لَوَلَّوْا إِلَيْهِ وَهُمْ يَجْمَحُونَ ﴿۵۷﴾ وَمِنْهُمْ مَنْ يَلْمِزُكَ

اُلٹے بھاگیں اسی طرف رسیاں تڑاتے ، اور بعضے ان میں وہ ہیں کہ تجھ کو طعن دیتے

فِي الصَّدَقٰتِ فَإِنْ أُعْطُوا مِنْهَا رَضُوا وَإِنْ لَمْ يُعْطَوْا

ہیں خیرات بانٹنے میں سو اگر ان کو ملے اس میں سے تو راضی ہوں اور اگر نہ ملے تو

مِنْهَا إِذَا هُمْ يَسْخَطُونَ ﴿۵۸﴾ وَلَوْ أَنَّهُمْ رَضُوا مَا آتٰهُمُ

جب ہی وہ ناخوش ہو جاویں ، اور کیا اچھا ہوتا اگر وہ راضی ہو جاتے اسی پر جو دیا ان کو

اللّٰهُ وَرَسُولُهُ وَقَالُوا حَسْبُنَا اللّٰهُ سَيُؤْتِينَا اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهِ

اللہ نے اور اس کے رسول نے اور کہتے کافی ہے ہم کو اللہ اور وہ دیگا ہم کو اپنے فضل سے

ع ۱۴

وَرَسُولُهُ إِنَّا إِلَى اللّٰهِ رَاغِبُونَ ﴿۵۹﴾

اور اس کا رسول ہم کو تو اللہ ہی چاہیے۔

خلاصۂ تفسیر

آپ (ان منافقین سے) فرما دیجئے کہ تم (جہاد وغیرہ میں) خواہ خوشی سے خرچ کرو یا ناخوشی سے تم کسی طرح (خدا کے نزدیک) مقبول نہیں (کیونکہ) بلاشبہ تم نافرمانی کرنے والے لوگ ہو (مراد اس سے کفر ہے جیسا کہ آگے آتا ہے) اور ان کی خیرات قبول ہونے سے اس کے سوا کوئی مانع نہیں کہ انھوں نے اللہ کے ساتھ اور اس کے رسول کے ساتھ کفر کیا (اسی کو اوپر نافرمانی کہا تھا اور کافر کا کوئی عمل مقبول نہیں) اور (اس کفر باطنی کی علامت ظاہر میں یہ ہے کہ) وہ لوگ نماز نہیں پڑھتے مگر ہارے جی سے اور (نیک کام میں) خرچ نہیں کرتے مگر ناگواری کے ساتھ (کیونکہ دل میں ایمان تو ہے نہیں جس سے امید ثواب ہو اور اس امید سے رغبت ہو محض بدنامی سے بچنے کے لئے کرتے ہیں جو کچھ کرتے ہیں اور جب وہ ایسے مردود ہیں) تو ان کے اموال اور اولاد آپ کو (اس) تعجب میں نہ ڈالیں (کہ ایسے غیر مقبول مردود لوگوں کو اتنے انعامات کس طرح عطا ہوئے، کیونکہ واقع میں ان کے لئے نعمت نہیں ایک قسم کا عذاب ہی ہے کیونکہ) اللہ کو صرف یہ منظور ہے کہ ان چیزوں کی وجہ سے دنیوی زندگی میں (بھی) ان کو گرفتار عذاب رکھے اور ان کی جان کفر ہی کی حالت میں نکل جاوے (جس سے آخرت میں بھی گرفتار عذاب ہوں تو جس مال و اولاد کا یہ انجام ہو اس کو انعام سمجھنا ہی غلطی ہے) اور یہ (منافق) لوگ اللہ کی قسمیں کھاتے ہیں کہ وہ تم میں سے ہیں (یعنی مسلمان ہیں) حالانکہ (واقع میں) وہ تم میں سے نہیں، لیکن (بات یہ ہے کہ) وہ ڈرپوک لوگ ہیں (ڈر کے مارے جھوٹی قسمیں کھا کر اپنے کفر کو چھپاتے ہیں کہ ہمارے ساتھ دوسرے کفار کا سا معاملہ مسلمانوں کی طرف سے نہ ہونے لگے، اور کسی دوسری جگہ ان کا ٹھکانا نہیں جہاں آزادی سے جا رہیں ورنہ) ان لوگوں کو اگر کوئی پناہ کی جگہ مل جاتی یا (کہیں پہاڑ وغیرہ میں) غار (مل جاتے) یا کوئی گھس بیٹھنے کی ذرا جگہ (مل جاتی) تو یہ ضرور منہ اٹھا کر ادھر ہی چل دیتے (مگر یہ صورت ہے نہیں، اس لئے جھوٹی قسمیں کھا کر اپنے آپ کو مسلمان بتاتے ہیں) اور ان میں بعض لوگ وہ ہیں جو

صدقات (تقسیم کرنے) کے بارے میں آپ پر طعن کرتے ہیں (کہ اس تقسیم میں نعوذ باللہ انصاف نہیں کیا گیا) تو اگر صدقات میں سے ان کو (ان کی خواہش کے مطابق) مل جاتا ہے تو وہ راضی ہو جاتے ہیں اور اگر ان صدقات میں سے ان کو (اپنی خواہش کے مطابق) نہیں ملتا تو وہ ناراض ہو جاتے ہیں (جس سے معلوم ہوا کہ ان کے اعتراض کا منشا، دراصل کوئی اصول نہیں، بلکہ حرص دنیا اور خود غرضی ہے) اور ان کے لئے بہتر ہوتا اگر وہ لوگ اس پر راضی رہتے جو کچھ اللہ نے ان کو (دلوایا تھا) اور اس کے رسول نے دیا تھا اور (اس کے متعلق) یوں کہتے ۔۔ کہ ہم کو اللہ (کا دیا) کافی ہے (ہم کو اتنا ہی قاعدہ سے مل سکتا تھا اسی میں خیر و برکت ہوگی، اور پھر اگر حاجت پیش آئے گی اور مصلحت ہوگی تو) آئندہ اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے ہم کو اور دے گا، اور اس کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) (دیں گے ہم (دل سے) اللہ ہی کی طرف راغب ہیں (اسی سے سب امیدیں رکھتے ہیں)۔

معارف و مسائل

سابقہ آیات میں منافقین کی بداخلاقی اور بداعمالی کا ذکر تھا، مذکورہ تمام آیات میں بھی یہی مضمون ہے: إِنَّمَا يُرِيدُ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ بِهَا، میں جو یہ ارشاد فرمایا کہ منافقین کے مال و اولاد ان کے لئے نعمت نہیں عذاب ہیں، وجہ اس کی یہ ہے کہ دنیا کی محبت میں انہماک انسان کیلئے اس دنیا ہی میں ایک عذاب و مصیبت بن جاتا ہے، اول مال دنیا کے حاصل کرنے کی تمناؤں اور پھر تدبیروں میں کیسی کیسی محنت، مشقت اور کوفت جسمانی اور روحانی اٹھانی پڑتی ہے، نہ دن کا چین نہ رات کی نیند، نہ اپنے تن بدن کی خبر، نہ اہل و عیال ہی میں دل بہلانے کی فرصت، پھر اگر وہ حاصل ہو گیا تو اس کی حفاظت اور اس کے بڑھانے کی فکر دن رات کا عذاب ہے، اور اگر ذرا سا نقصان ہو گیا یا کوئی بیماری پیش آگئی، تو غموں کا پہاڑ آ پڑا، اور اگر ساری چیزیں اتفاق سے طبیعت اور خواہش کے مطابق حاصل بھی ہو جائیں تو اس کے گھٹ جانے کا اندیشہ اور بڑھاتے چلے جانے کی فکر کسی وقت چین نہیں لینے دیتی۔

پھر جب آخر کار یہ چیزیں موت کے وقت یا پہلے ہی اس کے ہاتھ سے جاتی ہیں تو اس پر حسرت و یاس مسلط ہو جاتی ہے، یہ سب عذاب ہی عذاب ہے جس کو بیوقوف انسان جس نے سامان راحت کا نام راحت رکھ لیا ہے، اور حقیقی راحت یعنی قلب کا سکون و اطمینان ۔۔۔۔ کی اس کو ہوا بھی نہیں لگی، اس لئے سامان راحت ہی کو راحت سمجھ کر اس پر مگن رہتا ہے، جو حقیقت میں اس کیلئے دنیا کے چین آرام کا بھی دشمن ہے اور آخرت کے عذاب کا مقدمہ بھی۔

کیا صدقات کا مال کافر کو دیا جاسکتا ہے آخری آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ اموال صدقات میں سے منافقین کو بھی حصہ ملا کرتا تھا، مگر وہ خواہش کے مطابق نہ ملنے پر ناراض ہوجاتے اور طعن وتشنیع کرنے لگتے تھے، یہاں اگر صدقات سے مراد عام معنی لئے جائیں جن میں صدقات واجبہ اور نافلہ سب شامل ہیں، تو کوئی اشکال ہی نہیں کیونکہ نفلی صدقات میں سے غیر مسلم کو دینا باتفاقِ امت جائز اور سنت سے ثابت ہے، اور اگر صدقات سے مراد اس جگہ صدقاتِ فرض، زکوٰۃ، عشر وغیرہ ہی ہوں، تو منافقین کو اس میں سے حصہ دینا اس بنا پر تھا کہ وہ اپنے آپ کو مسلمان ظاہر کرتے تھے، اور ظاہری کوئی حجت ان کے کفر پر قائم نہ ہوئی تھی، اور اللہ تعالیٰ نے بمصلحت حکم یہی دے رکھا تھا کہ منافقین کے ساتھ وہی معاملہ کیا جائے جو مسلمانوں کے ساتھ کیا جاتا تھا۔ (بیان القرآن ملخصاً)

لَا يَأْتُونَ الصَّلٰوةَ اِلَّا وَهُمْ كُسَالٰى، اس آیت میں منافقین کی دو علامتیں بتلائی گئی ہیں، ایک یہ کہ نماز کو آویں تو سستی کاہلی اور ہارے جی سے آویں دوسرے اللہ کی راہ میں خرچ کریں تو ناگواری کے ساتھ خرچ کریں۔

اس میں مسلمانوں کو بھی اس پر تنبیہ ہے کہ نماز میں سستی، کاہلی اور زکوٰۃ وصدقات سے دلی ناگواری پیدا ہونا علامتِ نفاق ہے، مسلمانوں کو کوشش کرکے ان علامات سے بچنا چاہئے۔

اِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلْفُقَرَآءِ وَالْمَسٰكِيْنِ وَالْعٰمِلِيْنَ عَلَيْهَا وَ

زکوٰۃ جو ہے سو وہ حق ہے مفلسوں کا اور محتاجوں کا اور زکوٰۃ کے کام پر جانیوالوں کا اور

الْمُؤَلَّفَةِ قُلُوْبُهُمْ وَفِي الرِّقَابِ وَالْغٰرِمِيْنَ وَفِيْ سَبِيْلِ

جن کا دل پرچانا منظور ہے اور گردنوں کے چھڑانے میں اور جو تاوان بھریں اور اللہ

اللّٰهِ وَابْنِ السَّبِيْلِ ۭ فَرِيْضَةً مِّنَ اللّٰهِ ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ۝۶۰

کے رستہ میں اور راہ کے مسافر کو ٹھہرایا ہوا ہے اللہ کا، اور اللہ سب کچھ جاننے والا حکمت والا ہے۔

خلاصۂ تفسیر

(فرض) صدقات تو صرف حق ہے غریبوں کا اور محتاجوں کا اور جو کارکن ان صدقات (کی تحصیل وصول کرنے) پر متعین ہیں اور جن کی دلجوئی کرنا (منظور) ہے اور غلاموں کی گردن چھڑانے میں (صرف کیا جائے) اور قرضداروں کے قرضہ ادا کرنے میں اور جہاد والوں کے سامان میں اور مسافروں کی امداد میں یہ حکم اللہ کی طرف سے مقرر ہے اور اللہ تعالیٰ بڑے علم والے بڑی حکمت والے ہیں۔

معارف ومسائل

مَصَارِفُ الصَّدَقَات اس سے پہلی آیتوں میں صدقات کے بارے میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر بعض منافقین کے اعتراضات اور جواب کا ذکر تھا، جس میں منافقین نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ الزام لگایا تھا آپ (معاذ اللہ) صدقات کی تقسیم میں انصاف نہیں کرتے، جس کو چاہتے ہیں جو چاہتے ہیں دیدیتے ہیں۔

اس آیت میں حق تعالیٰ نے مصارفِ صدقات کو متعین فرما کر ان کی اس غلط فہمی کو دور کردیا کہ اللہ تعالیٰ نے یہ بات خود متعین فرمادی ہے کہ صدقات کن لوگوں کو دینے چاہئیں، اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم تقسیم صدقات میں اسی ارشاد ربانی کی تعمیل فرماتے ہیں، اپنی رائے سے کچھ نہیں کرتے۔

اس کی تصدیق اس حدیث سے بھی ہوتی ہے جو ابوداؤد اور دارقطنی نے حضرت زیاد بن حارث صدائی کی روایت سے نقل کی ہے، یہ فرماتے ہیں کہ میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا، تو معلوم ہوا کہ آپ ان کی قوم کے مقابلہ کے لئے ایک لشکر مسلمانوں کا روانہ فرمارہے ہیں، میں نے عرض کیا کہ یارسول اللہ آپ لشکر نہ بھیجیں، میں اس کا ذمہ لیتا ہوں، کہ وہ سب مطیع وفرمانبردار ہوکر آجائیں گے، پھر میں نے اپنی قوم کو خط لکھا تو سب کے سب مسلمان ہوگئے، اس پر آپ نے فرمایا یا اَخَا صُدَاء اَلْمُطَاعُ فِیْ قَوْمِہٖ، جس میں گویا ان کو یہ خطاب دیا گیا کہ یہ اپنی قوم کے محبوب اور مقتدا ہیں، میں نے عرض کیا کہ اس میں میرا کوئی کمال نہیں، اللہ تعالیٰ کے کرم سے ان کو ہدایت ہوگئی اور وہ مسلمان ہوگئے، یہ فرماتے ہیں کہ میں ابھی اسی مجلس میں حاضر تھا کہ ایک شخص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں کچھ سوال کرنے کے لئے حاضر ہوا، آپ نے اس کو یہ جواب دیا کہ:

"صدقات کی تقسیم کو اللہ تعالیٰ نے کسی نبی یا غیر نبی کے بھی حوالہ نہیں کیا، بلکہ خود ہی اس کے آٹھ مصرف متعین فرمادیئے، اگر تم ان آٹھ میں داخل ہو تو تمہیں دے سکتا ہوں"، انتہی۔ (تفسیر قرطبی، ص ۱۶۸، ج ۸)

آیت کا شانِ نزول معلوم کرنے کے بعد آیت کی مکمل تفسیر اور تشریح سننے سے پہلے یہ سمجھ لیجئے کہ اللہ جل شانہٗ نے تمام مخلوقات انسان وحیوان وغیرہ کو رزق دینے کا وعدہ فرمایا ہے، وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِي الْاَرْضِ اِلَّا عَلَي اللّٰهِ رِزْقُهَا، اور ساتھ ہی اپنی حکمت بالغہ سے ایسا نہیں کیا کہ سب کو رزق میں برابر کردیتے، غنی وفقیر کا فرق نہ رہتا، اس میں انسان

کی اخلاقی تربیت اور نظامِ عالم سے متعلق سیکڑوں حکمتیں ہیں جن کی تفصیل کا یہ موقع نہیں اس حکمت کے ماتحت کسی کو مال دار بنا دیا کسی کو غریب فقیر، پھر مال داروں کے مال میں غریب فقیر کا حصہ لگا دیا، ارشاد فرمایا وَفِيْٓ اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ مَّعْلُوْمٌ لِّلسَّاۗىِٕلِ وَالْمَحْرُوْمِ جس میں بتلا دیا کہ مالداروں کے مال میں اللہ تعالیٰ نے ایک معین مقدار کا حصہ فقراء کے لئے رکھ دیا ہے، جو اُن فقراء کا حق ہے۔

اس سے ایک تو یہ معلوم ہوا کہ مال داروں کے مال میں سے جو صدقہ نکالنے کا حکم دیا گیا ہے یہ کوئی ان کا احسان نہیں، بلکہ فقراء کا ایک حق ہے جس کی ادائیگی ان کے ذمہ ضروری ہے، دوسرے یہ بھی معلوم ہوا کہ یہ حق اللہ تعالیٰ کے نزدیک متعین ہے، یہ نہیں کہ جس کا جی چاہے جب چاہے اس میں کمی بیشی کر دے، اللہ تعالیٰ نے اس معین حق کی مقدار بھی بتلانے کا کام رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سپرد فرمایا، اور اسی لئے آپ نے اس کا اس قدر اہتمام فرمایا کہ صحابہ کرام کو صرف زبانی بتلا دینے پر کفایت نہیں فرمائی، بلکہ اس معاملہ کے متعلق مفصل فرمان لکھوا کر حضرت فاروق اعظم اور عمرو بن حزم کو سپرد فرمائے، جس سے واضح طور پر ثابت ہو گیا کہ زکوٰۃ کے نصاب اور ہر نصاب میں سے مقدار زکوٰۃ ہمیشہ کے لئے اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کے واسطہ سے متعین کر کے بتلا دیئے ہیں، اس میں کسی زمانہ اور کسی ملک میں کسی کو کمی بیشی یا تغیر و تبدل کا کوئی حق نہیں۔

صدقہ، زکوٰۃ کی فرضیت صحیح یہ ہے کہ اوائل اسلام ہی میں مکہ مکرمہ کے اندر نازل ہو چکی تھی، جیسا کہ امام تفسیر ابن کثیرؒ نے سورۃ مزمل کی آیت وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ سے استدلال فرمایا ہے، کیونکہ یہ سورۃ بالکل ابتداء وحی کے زمانہ کی سورتوں میں سے ہے، اس میں نماز کے ساتھ زکوٰۃ کا حکم بھی ہے، البتہ روایاتِ حدیث سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ابتداء اسلام میں زکوٰۃ کے لئے کوئی خاص نصاب یا خاص مقدار مقرر نہ تھی، بلکہ جو کچھ ایک مسلمان کی اپنی ضرورتوں سے بچ رہے وہ سب اللہ کی راہ میں خرچ کیا جاتا تھا، نصابوں کا تعین اور مقدار زکوٰۃ کا بیان بعد از ہجرت مدینہ طیبہ میں ہوا ہے، اور پھر زکوٰۃ و صدقات کی وصول یابی کا نظام محکمانہ انداز کا توفتح مکہ کے بعد عمل میں آیا ہے۔

اس آیت میں باجماع صحابہ و تابعین اسی صدقۂ واجبہ کے مصارف کا بیان ہے جو نماز کی طرح مسلمانوں پر فرض ہے، کیونکہ جو مصارف اس آیت میں متعین کئے گئے ہیں وہ صدقاتِ فرض کے مصارف ہیں، نفلی صدقات میں روایات کی تصریحات کی بناء پر بہت وسعت ہے، وہ ان آٹھ مصارف میں منحصر نہیں ہیں۔

اگرچہ اوپر کی آیات میں صدقات کا لفظ عام صدقات کے لئے استعمال ہوا ہے، جس میں واجب اور نفلی دونوں داخل ہیں، مگر اس آیت میں باجماعِ امت صدقات فرض ہی کے مصارف کا بیان مراد ہے، اور تفسیر قرطبی میں ہے کہ قرآن میں جہاں کہیں لفظ صدقہ مطلقاً بولا گیا ہے اور کوئی قرینہ نفلی صدقہ کا نہیں ہے تو وہاں صدقہ فرض ہی مراد ہوتا ہے۔

اس آیت کو لفظ اِنَّمَا سے شروع کیا گیا ہے، یہ لفظ حصر و انحصار کے لئے استعمال ہوتا ہے، اس شروع ہی کے کلمہ نے بتلا دیا کہ صدقات کے جو مصارف آگے بیان ہو رہے ہیں تمام صدقات واجبہ صرف انہیں میں خرچ ہونے چاہئیں، ان کے علاوہ کسی دوسرے مصرفِ خیر میں صدقاتِ واجبہ صرف نہیں ہو سکتے، جیسے جہاد کی تیاری یا بناءِ مسجد و مدارس یا دوسرے رفاہِ عام کے ادارے، یہ سب چیزیں بھی اگرچہ ضروری ہیں، اور ان میں خرچ کرنے کا بہت بڑا ثواب ہے، مگر صدقاتِ فرض جن کی مقداریں متعین کر دی گئی ہیں، ان کو ان میں نہیں لگایا جا سکتا۔

آیت کا دوسرا لفظ صَدَقٰتُ، صدقہ کی جمع ہے، صدقہ لغت میں اس مال کے جزء کو کہا جاتا ہے جو اللہ کے لئے خرچ کیا جائے (قاموس) امام راغبؒ نے مفرداتُ القرآن میں فرمایا کہ صدقہ کو صدقہ اس لئے کہتے ہیں کہ اس کا دینے والا گویا یہ دعویٰ کرتا ہے کہ میں اپنے قول و فعل میں صادق ہوں، اس کے خرچ کرنے کی کوئی غرض دنیوی نہیں بلکہ صرف اللہ کی رضا کے لئے خرچ کر رہا ہوں، اسی لئے جس صدقہ میں کوئی نام و نمود یا دنیوی غرض شامل ہو جائے قرآن کریم نے اس کو کالعدم قرار دیا ہے۔

لفظ صدقہ اپنے اصلی معنی کی رُو سے عام ہے، نفلی صدقہ کو بھی کہا جاتا ہے، فرض زکوٰۃ کو بھی، نفل کے لئے اس کا استعمال عام ہے ہی، فرض کے لئے بھی قرآن کریم میں بہت جگہ یہ لفظ استعمال ہوا ہے، جیسے خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً اور آیت زیر بحث اِنَّمَا الصَّدَقٰتُ وغیرہ، بلکہ قرطبی کی تحقیق تو یہ ہے کہ قرآن میں جب مطلق لفظ صدقہ بولا جاتا ہے تو اس سے صدقہ فرض ہی مراد ہوتا ہے، اور روایاتِ حدیث میں لفظ صدقہ ہر نیک کام کے لئے بھی استعمال ہوا ہے، جیسے حدیث میں ہے کہ کسی مسلمان سے خوش ہو کر ملنا بھی صدقہ ہے، کسی بوجھ اٹھانے والے کا بوجھ اٹھوا دینا بھی صدقہ ہے، کنویں سے پانی کا ڈول اپنے لئے نکالا اس میں سے کسی دوسرے کو دیدینا بھی صدقہ ہے، اس حدیث میں لفظ صدقہ مجازی طور پر عام معنی میں استعمال کیا گیا ہے۔

تیسرا لفظ اس کے بعد لِلْفُقَرَاۗءِ ہے سے شروع ہوا ہے، اس کے شروع میں حرف

لام ہے جو تخصیص کے معنی میں استعمال ہوتا ہے، اس لئے معنی جملہ کے یہ ہوں گے کہ تمام صدقات صرف انہی لوگوں کا حق ہے جن کا ذکر بعد میں کیا گیا ہے۔

اب ان آٹھ مصارف کی تفصیل سنئے جو اس کے بعد مذکور ہیں:۔

ان میں پہلا مصرف فقراء ہیں، دوسرا مساکین، فقیر اور مسکین کے اصل معنی میں اگرچہ اختلاف ہو، ایک کے معنے ہیں جس کے پاس کچھ نہ ہو، دوسرے کے معنی ہیں جس کے پاس نصاب سے کم ہو لیکن حکم زکوٰۃ میں دونوں یکساں ہیں، کوئی اختلاف نہیں، جس کا حاصل یہ ہو کہ جس شخص کے پاس اس کی ضروریات اصلیہ سے زائد بقدر نصاب مال نہ ہو اس کو زکوٰۃ دی جا سکتی ہے، اور اس کے لئے زکوٰۃ لینا بھی جائز ہے، ضروریات میں رہنے کا مکان، استعمالی برتن اور کپڑے اور فرنیچر وغیرہ سب داخل ہیں، نصاب یعنی سونا ساڑھے سات تولہ یا چاندی ساڑھے باون تولہ یا اس کی قیمت جس کے پاس ہو اور وہ قرضدار بھی نہ ہو نہ اس کو زکوٰۃ لینا جائز ہے نہ دینا، اسی طرح وہ شخص جس کے پاس کچھ چاندی یا کچھ پیسے نقد ہیں اور تھوڑا سا سونا ہے تو سب کی قیمت لگا کر اگر ساڑھے باون تولہ چاندی کی قیمت کے برابر ہو جائے تو وہ بھی صاحبِ نصاب ہے، اس کو زکوٰۃ دینا اور لینا جائز نہیں، اور جو شخص صاحبِ نصاب نہیں مگر تندرست، قوی اور کمانے کے قابل ہو اور ایک دن کا گذارہ اس کے پاس موجود ہے اس کو اگرچہ زکوٰۃ دینا جائز ہے مگر یہ جائز نہیں کہ وہ لوگوں سے سوال کرتا پھرے، اس میں بہت سے لوگ غفلت برتتے ہیں، سوال کرنا ایسے لوگوں کے لئے حرام ہے، ایسا شخص جو کچھ سوال کر کے حاصل کرتا ہے اس کو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جہنم کا انگارہ فرمایا ہو (ابوداؤد بروایت علیؓ، قرطبی)

حاصل یہ ہے کہ فقیر اور مسکین میں زکوٰۃ کے باب میں کوئی فرق نہیں، البتہ وصیت کے حکم میں فرق پڑتا ہے کہ مساکین کے لئے وصیت کی ہے تو کیسے لوگوں کو دیا جائے، اور فقراء کے لئے ہے تو کیسے لوگوں کو دیا جائے، جس کے بیان کی یہاں ضرورت نہیں، فقیر اور مسکین کے دونوں مصرفوں میں یہ بات قدر مشترک ہو کہ جس کو مال زکوٰۃ دیا جائے وہ مسلمان ہو اور حاجاتِ اصلیہ سے زائد بقدر نصاب مال کا مالک نہ ہو۔

اگرچہ عام صدقات غیر مسلموں کو بھی دیئے جا سکتے ہیں، رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: تَصَدَّقُوْا عَلٰى اَهْلِ الْاَدْيَانِ كُلِّهَا، یعنی ہر مذہب والے پر صدقہ کرو، لیکن صدقہ، زکوٰۃ کے بارے میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذؓ کو یمن بھیجنے کے وقت یہ ہدایت فرمائی تھی کہ مالِ زکوٰۃ صرف مسلمانوں کے اغنیاء سے لیا جائے، اور انہی کے فقراء پر صرف کیا جائے، اس لئے مال زکوٰۃ کو صرف مسلم فقراء و مساکین ہی پر صرف کیا جا سکتا ہے،

زکوٰۃ کے علاوہ دوسرے صدقات یہاں تک کہ صدقۃ الفطر بھی غیر مسلم فقیر کو دینا جائز ہو (ہدایہ) اور دوسری شرط مالکِ نصاب نہ ہونے کی خود فقیر و مسکین کے معنی سے واضح ہو جاتی ہے، کیونکہ یا تو اس کے پاس کچھ نہ ہوگا، یا کم از کم مالِ نصاب کی مقدار سے کم ہوگا، اس لئے فقیر اور مسکین دونوں اتنی بات میں مشترک ہیں کہ ان کے پاس بقدر نصاب مال موجود نہیں، ان دونوں مصرفوں کے بعد اور چھ مصارف کا بیان آیا ہے، ان میں پہلا مصرف عاملینِ صدقہ ہیں۔

تیسرا مصرف وَالْعٰمِلِيْنَ عَلَيْهَا، یہاں عاملین سے مراد وہ لوگ ہیں جو اسلامی حکومت کی طرف سے صدقات زکوٰۃ و عشر وغیرہ ... لوگوں سے وصول کر کے بیت المال میں جمع کرنے کی خدمت پر مامور ہوتے ہیں، یہ لوگ چونکہ اپنے تمام اوقات اس خدمت میں خرچ کرتے ہیں، اس لئے ان کی ضروریات کی ذمہ داری اسلامی حکومت پر عائد ہے، قرآن کریم کی اس آیت نے مصارفِ زکوٰۃ میں ان کا حصہ رکھ کر یہ متعین کر دیا کہ ان کا حق الخدمت اسی مد زکوٰۃ سے دیا جائے گا۔

اس میں اصل یہ ہو کہ حق تعالیٰ نے مسلمانوں سے زکوٰۃ و صدقات وصول کرنے کا فریضہ براہِ راست رسولِ کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے سپرد فرمایا ہو، جس کا ذکر اسی سورت میں آگے آنے والی اس آیت میں ہے خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً "یعنی وصول کریں آپ مسلمانوں کے اموال میں سے صدقہ" اس آیت کا مفصل بیان تو آئندہ آئے گا، یہاں یہ بتلانا منظور ہو کہ اس آیت کی رو سے مسلمانوں کے امیر پر یہ فریضہ عائد ہوتا ہے کہ وہ زکوٰۃ و صدقات وصول کرے، اور یہ ظاہر ہے کہ امیر خود اس کام کو پورے ملک میں بغیر اعوان اور مددگاروں کے نہیں کر سکتا، انہی اعوان اور مددگاروں کا ذکر مذکور الصدر آیت میں وَالْعٰمِلِيْنَ عَلَيْهَا کے الفاظ سے کیا گیا ہے۔

انہی آیات کی تعمیل میں رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بہت سے صحابہ کرام کو صدقات وصول کرنے کے لئے عامل بنا کر مختلف خطوں میں بھیجا ہے، اور آیتِ مذکورہ کی ہدایت کے موافق زکوٰۃ ہی کی حاصل شدہ رقم میں سے ان کو حق الخدمت دیا ہے، ان میں وہ حضرات صحابہ بھی شامل ہیں جو اغنیاء تھے، حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ صدقہ کسی غنی یعنی مال دار کے لئے حلال نہیں، بجز پانچ شخصوں کے، ایک وہ شخص جو جہاد کے لئے نکلا ہے اور وہاں اس کے پاس بقدر ضرورت مال نہیں، اگرچہ گھر میں مال دار ہو، دوسرے عاملِ صدقہ جو صدقہ وصول کرنے کی خدمت انجام دیتا ہو، تیسرے وہ شخص کہ اگرچہ اس کے پاس مال ہے مگر وہ موجودہ مال سے زیادہ کا مقروض ہے، چوتھے وہ شخص جو صدقہ کا

مال کسی غریب مسکین سے پیسے دے کر خرید لے، پانچویں وہ شخص جس کو کسی غریب فقیر نے صدقہ کا حاصل شدہ مال بطور ہدیہ تحفہ پیش کر دیا ہو۔

رہا یہ مسئلہ کہ عاملینِ صدقہ کو اس میں سے کتنی رقم دی جائے سو اس کا حکم یہ ہے کہ ان کی محنت و عمل کی حیثیت کے مطابق دی جائے گی (احکام القرآن جصاص، قرطبی)

البتہ یہ ضروری ہوگا کہ عاملین کی تنخواہیں نصف زکوٰۃ سے بڑھنے نہ پائیں، اگر زکوٰۃ کی وصول یابی اتنی کم ہو کہ عاملین کی تنخواہیں دے کر نصف بھی باقی نہیں رہتی تو پھر تنخواہوں میں کمی کی جائے گی، نصف سے زائد صرف نہیں کیا جائے گا (تفسیر مظہری، ظہیریہ)

بیان مذکور سے معلوم ہوا کہ عاملینِ صدقہ کو جو رقم مد زکوٰۃ سے دی جاتی ہے وہ بحیثیت صدقہ نہیں بلکہ ان کی خدمت کا معاوضہ ہے، اسی لئے باوجود غنی اور مال دار ہونے کے بھی وہ اس رقم کے مستحق ہیں، اور زکوٰۃ سے اُن کو دینا جائز ہے، اور مصارف زکوٰۃ کی آٹھ مدات میں سے صرف ایک یہی مد ایسی ہے جس میں رقم زکوٰۃ بطور معاوضۂ خدمت دی جاتی ہے، ورنہ زکوٰۃ نام ہی اس عطیہ کا ہے جو غریبوں کو بغیر کسی معاوضہ خدمت کے دیا جائے، اور اگر کسی غریب فقیر کو کوئی خدمت لے کر مالِ زکوٰۃ دیا گیا تو زکوٰۃ ادا نہیں ہوئی۔

اسی لئے یہاں دو سوال پیدا ہوتے ہیں، اوّل یہ کہ مالِ زکوٰۃ کو معاوضہ خدمت میں کیسے دیا گیا، دوسرے یہ کہ مال دار کے لئے یہ مالِ زکوٰۃ حلال کیسے ہوا، ان دونوں سوالوں کا ایک ہی جواب ہے کہ عاملینِ صدقہ کی اصلی حیثیت کو سمجھ لیا جائے، وہ یہ ہے کہ یہ حضرات فقراء کے وکیل کی حیثیت رکھتے ہیں، اور یہ سب جانتے ہیں کہ وکیل کا قبضہ اصل مؤکل کے قبضہ کے حکم میں ہوتا ہے، اگر کوئی شخص اپنا قرض وصول کرنے کے لئے کسی کو وکیل مختار بنا دے، اور قرضدار یہ قرض وکیل کو سپرد کر دے تو وکیل کا قبضہ ہوتے ہی قرضدار بری ہو جاتا ہے، تو جب رقم زکوٰۃ عاملین صدقہ نے فقراء کے وکیل ہونے کی حیثیت سے وصول کر لی تو ان کی زکوٰۃ ادا ہو گئی، اب یہ پوری رقم ان فقراء کی ملک ہے جن کی طرف سے بطور وکیل انھوں نے وصول کی ہے، اب جو رقم بطور حق الخدمت کے اُن کو دی جاتی ہے وہ مال داروں کی طرف سے نہیں بلکہ فقراء کی طرف سے ہوئی، اور فقراء کو اس میں ہر طرح کا تصرف کرنے کا اختیار ہے، ان کو یہ بھی حق ہے کہ جب اپنا کام ان لوگوں سے لیتے ہیں تو اپنی رقم میں سے ان کو معاوضۂ خدمت دیدیں۔

اب سوال یہ رہ جاتا ہے کہ فقراء نے تو ان کو وکیل مختار بنایا نہیں، یہ اُن کے وکیل کیسے بن گئے، اس کی وجہ یہ ہے کہ اسلامی حکومت کا سربراہ جسکو امیر کہا جاتا ہے وہ قدرتی طور پر منجانب اللہ پورے ملک کے فقراء غرباء کا وکیل ہوتا ہے، کیونکہ ان سب کی ضروریات

کی ذمہ داری اس پر عائد ہوتی ہے، امیرِ مملکت جس جس کو صدقات کی وصول یابی پر عامل بنا دے وہ سب ان کے نائب کی حیثیت سے فقراء کے وکیل ہو جاتے ہیں۔

اس سے معلوم ہو گیا کہ عاملینِ صدقہ کو جو کچھ دیا گیا وہ درحقیقت زکوٰۃ نہیں دی گئی، بلکہ زکوٰۃ جن فقراء کا حق ہے ان کی طرف سے معاوضۂ خدمت دیا گیا، جیسے کوئی غریب فقیر کسی کو اپنے مقدمہ کا وکیل بنا لے اور اس کا حق الخدمت زکوٰۃ کے حاصل شدہ مال سے ادا کر دے تو یہاں نہ دینے والا بطور زکوٰۃ کے دے رہا ہے اور نہ لینے والا زکوٰۃ کی حیثیت سے لے رہا ہے۔

فائدہ

تفصیل مذکور سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ آجکل جو اسلامی مدارس اور انجمنوں کے مہتمم، یا ان کی طرف سے بھیجے ہوئے سفیر صدقات زکوٰۃ وغیرہ مدارس اور انجمنوں کے لئے وصول کرتے ہیں، ان کا وہ حکم نہیں جو عاملینِ صدقہ کا اس آیت میں مذکور ہے، کہ زکوٰۃ کی رقم میں سے ان کی تنخواہ دی جا سکے، بلکہ ان کو مدارس اور انجمن کی طرف سے جداگانہ تنخواہ دینا ضروری ہے زکوٰۃ کی رقم سے ان کی تنخواہ نہیں دی جا سکتی، وجہ یہ ہے کہ یہ لوگ فقراء کے وکیل نہیں، بلکہ اصحابِ زکوٰۃ مال داروں کے وکیل ہیں، ان کی طرف سے مالِ زکوٰۃ کو مصرف پر لگانے کا انکو اختیار دیا گیا ہے، اسی لئے ان کے قبضہ ہو جانے کے بعد بھی زکوٰۃ اس وقت تک ادا نہیں ہوتی جب تک یہ حضرات اس کو مصرف پر خرچ نہ کر دیں۔

فقراء کا وکیل نہ ہونا اس لئے ظاہر ہے کہ حقیقی طور پر کسی فقیر نے ان کو اپنا وکیل بنایا نہیں، اور امیر المؤمنین کی ولایت عامہ کی بناء پر جو خود بخود وکالت فقراء حاصل ہوتی ہے وہ بھی ان کو حاصل نہیں، اس لئے بجز اس کے کوئی صورت نہیں کہ ان کو اصحاب زکوٰۃ کا وکیل قرار دیا جائے اور جب تک یہ اس مال کو مصرف پر خرچ نہ کر دیں ان کا قبضہ ایسا ہی ہے جیسا کہ زکوٰۃ کی رقم خود مال والے کے پاس رکھی ہو۔

اس معاملہ میں عام طور پر غفلت برتی جاتی ہے، بہت سے ادارے زکوٰۃ کا فنڈ وصول کر کے اس کو سالہا سال رکھے رہتے ہیں، اور اصحابِ زکوٰۃ سمجھتے ہیں کہ ہماری زکوٰۃ ادا ہو گئی، حالانکہ ان کی زکوٰۃ اس وقت ادا ہو گی جب ان کی رقم مصارفِ زکوٰۃ میں صرف ہو جائے۔

اسی طرح بہت سے لوگ ناواقفیت سے ان لوگوں کو عاملینِ صدقہ کے حکم میں داخل سمجھ کر زکوٰۃ ہی کی رقم سے ان کی تنخواہ دیتے ہیں، یہ نہ دینے والوں کے لئے جائز ہے نہ لینے والوں کے لئے۔

ایک اور سوال عبادت پر اجرت

یہاں ایک اور سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ قرآن مجید کے اشارات اور احادیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی بہت سی تصریحات سے یہ بات ثابت ہے کہ کسی

عبادت پر اُجرت ومعاوضہ لینا حرام ہے، مسند احمد کی حدیث میں بروایت عبدالرحمٰن بن شبل منقول ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اِقْرَأُوا الْقُرْاٰنَ وَلَا تَاْكُلُوْا بِهٖ یعنی قرآن پڑھو، مگر اس کو کھانے کا ذریعہ نہ بناؤ، اور بعض روایات میں اس معاوضہ کو قطعہ جہنم فرمایا ہے جو قرآن پر لیا جائے، اسی کی بنا پر فقہاء امت کا اتفاق ہے کہ طاعات وعبادات پر اجرت لینا جائز نہیں، اور یہ بھی ظاہر ہے کہ صدقات وصول کرنے کا کام ایک دینی خدمت اور عبادت ہے، رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو ایک قسم کا جہاد فرمایا ہے، اس کا مقتضیٰ یہ تھا کہ اس پر بھی کوئی اجرت ومعاوضہ لینا حرام ہوتا، حالانکہ قرآن کریم کی اس آیت نے صراحۃً اس کو جائز قرار دیا، اور زکوٰۃ کے آٹھ مصارف میں اس کو داخل فرمایا۔

امام قرطبی نے اپنی تفسیر میں اس کے متعلق فرمایا کہ جو عبادات فرض یا واجب عین ہیں اُن پر اجرت لینا مطلقاً حرام ہے، لیکن جو فرض کفایہ ہیں ان پر کوئی معاوضہ لینا اسی آیت کی رُو سے جائز ہے، فرض کفایہ کے معنی یہ ہیں کہ ایک کام پوری امت یا پورے شہر کے ذمہ فرض کیا گیا ہے، مگر یہ لازم نہیں کہ سب ہی اس کو کریں، اگر بعض لوگ ادا کرلیں تو سب سبکدوش ہوجاتے ہیں، البتہ اگر کوئی بھی نہ کرے تو سب گنہگار ہوتے ہیں۔

امام قرطبیؒ نے فرمایا کہ اسی آیت سے ثابت ہوا کہ امامت وخطابت کا معاوضہ لینا بھی جائز ہے، کیونکہ وہ بھی واجب علی العین نہیں بلکہ واجب علی الکفایہ ہیں، انتہٰی، اسی طرح تعلیم قرآن وحدیث اور دوسرے دینی علوم کا بھی یہی حال ہے، کہ یہ سب کام پوری امت کے ذمہ فرض کفایہ ہیں، اگر بعض لوگ کرلیں تو سب سبکدوش ہوجاتے ہیں، اس لئے اگر اس پر کوئی معاوضہ اور تنخواہ لی جائے تو وہ بھی جائز ہے۔

چوتھا مصرف مصارفِ زکوٰۃ میں سے مؤلفۃ القلوب ہیں، یہ وہ لوگ ہیں جن کی دل جوئی کے لئے ان کو صدقات دیئے جاتے تھے، عام طور پر یہ بیان کیا جاتا ہے کہ ان میں تین چار قسم کے لوگ شامل تھے، کچھ مسلمان کچھ غیر مسلم، پھر مسلمانوں میں بعض تو وہ لوگ تھے جو غریب حاجت مند بھی تھے، اور نومسلم بھی، ان کی دل جوئی اس لئے کی جاتی تھی کہ اسلام پر پختہ ہوجائیں، اور بعض وہ تھے جو مالدار بھی تھے اور مسلمان ہوگئے تھے، مگر ابھی تک ایمان کا رنگ ان کے دلوں میں رچا نہیں تھا، اور بعض وہ لوگ تھے جو خود تو پکے مسلمان تھے مگر ان کی قوم کو ان کے ذریعہ ہدایت پر لانا اور پختہ کرنا مقصود تھا، اور غیر مسلموں میں بھی کچھ وہ لوگ تھے جن کے شر سے بچنے کے لئے ان کی دل جوئی کی جاتی تھی، اور بعض وہ تھے جن کے بارے میں یہ تجربہ تھا کہ نہ تبلیغ وتعلیم سے اثر پذیر ہوتے ہیں، نہ جنگ وتشدد سے

بلکہ احسان وحسن سلوک سے متاثر ہوتے ہیں، رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم تو یہ چاہتے تھے کہ خلق خدا کو کفر کی ظلمت سے نکال کر نور ایمان میں لے آئیں، اس کے لئے ہر وہ جائز تدبیر کرتے تھے جس سے یہ لوگ متاثر ہوسکیں، یہ سب قسمیں عام طور پر "مؤلفۃ القلوب" میں داخل سمجھی جاتی ہیں جن کو صدقات کا چوتھا مصرف اس آیت میں قرار دیا ہے۔

چوتھا مصرف مؤلفۃ القلوب ہیں، ان کے متعلق گزشتہ صفحات میں یہ بتلایا جاچکا ہے کہ یہ وہ لوگ ہیں جن کی دل جوئی کے لئے ان کو صدقات سے حصہ دیا جاتا تھا، عام خیال کے مطابق ان میں مسلم وغیر مسلم دونوں طرح کے لوگ تھے، غیر مسلموں کی دل جوئی اسلام کی ترغیب کے لئے اور نومسلموں کی دل جوئی اسلام پر پختہ کرنے کے لئے کی جاتی تھی، عام طور پر مشہور یہ ہے کہ ان کو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں ایک خاص علت اور مصلحت کے لئے جس کا ذکر ابھی آچکا ہے، صدقات دیئے جاتے تھے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد جب کہ اسلام کو مادی قوت بھی حاصل ہوگئی اور کفار کے شر سے بچنے یا نومسلموں کو اسلام پر پختہ کرنے کے لئے اس طرح کی تدبیروں کی ضرورت نہ رہی تو وہ علت اور مصلحت ختم ہوگئی، اس لئے ان کا حصہ بھی ختم ہوگیا، جس کو بعض فقہاء نے منسوخ ہوجانے سے تعبیر فرمایا ہے، فاروق اعظمؓ حسن بصریؒ، شعبیؒ، ابوحنیفہؒ، مالکؒ بن انس .... کی طرف یہی قول منسوب ہے۔

اور بہت سے حضرات نے فرمایا کہ مؤلفۃ القلوب کا حصہ منسوخ نہیں، بلکہ صدیق اکبرؓ اور فاروق اعظمؓ کے زمانہ میں اس کو ساقط کرنے کا مطلب یہ ہے کہ ضرورت نہ رہنے کی وجہ سے ان کا حصہ ساقط کردیا گیا، آئندہ کسی زمانہ میں پھر ایسی ضرورت پیش آجائے تو پھر دیا جاسکتا ہے، امام زہریؒ، قاضی عبدالوہابؒ ابن عربی، امام شافعیؒ اور امام احمدؒ کا یہی مذہب ہے، لیکن تحقیق اور صحیح بات یہ ہے کہ غیر مسلموں کو صدقات وغیرہ سے کسی وقت کسی زمانہ میں حصہ نہیں دیا گیا، اور نہ وہ مؤلفۃ القلوب میں داخل ہیں، جن کا ذکر مصارف صدقات میں آیا ہے۔

امام قرطبیؒ نے اپنی تفسیر میں ان سب لوگوں کے نام تفصیل کے ساتھ شمار کئے ہیں جن کی دل جوئی کے لئے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مد صدقات سے حصہ دیا ہے، اور یہ سب شمار کرنے کے بعد فرمایا ہے: وَبِالْجُمْلَةِ فَكُلُّهُمْ مُؤْمِنٌ وَلَمْ يَكُنْ فِيْهِمْ كَافِرٌ، یعنی خلاصہ یہ ہے کہ مؤلفۃ القلوب سب کے سب مسلمان ہی تھے، ان میں کوئی کافر شامل نہیں تھا۔

اسی طرح تفسیر مظہری میں ہے، لَمْ يَثْبُتْ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَعْطٰى اَحَدًا مِّنَ الْكُفَّارِ لِلْاِيْلَافِ شَيْئًا مِّنَ الزَّكٰوةِ، یعنی یہ بات کسی روایت

ثابت نہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی کافر کو مالِ زکوٰۃ میں سے اس کی دلجوئی کیلئے حصہ دیا ہو، اس کی تائید تفسیر کشاف کی اس بات سے بھی ہوتی ہے کہ مصارفِ صدقات کا بیان یہاں ان کفار و منافقین کے جواب میں آیا ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر تقسیم صدقات کے بارے میں اعتراض کیا کرتے تھے کہ ہم کو صدقات نہیں دیتے، اس کے جواب میں مصارف صدقات کی تفصیل بیان فرمانے سے مقصد یہی ہے کہ ان کو بتلا دیا جائے کہ کافر کا کوئی حق مالِ صدقات میں نہیں ہے، اگر مؤلفۃ القلوب میں کافر بھی داخل ہوں تو اس جواب کی ضرورت نہ تھی۔

تفسیر مظہری میں اس مغالطہ کو بھی اچھی طرح واضح کر دیا ہے جو بعض روایاتِ حدیث کے سبب لوگوں کو پیش آیا ہے، جن سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض غیر مسلموں کو کچھ عطیات دیئے ہیں، چنانچہ صحیح مسلم اور ترمذی کی روایت میں جو یہ مذکور ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صفوان ابن امیہ کو کافر ہونے کے زمانے میں کچھ عطیات دیئے، اس کے متعلق امام نوویؒ کے حوالے سے تحریر فرمایا کہ یہ عطیات زکوٰۃ کے مال سے نہ تھے، بلکہ غزوۂ حنین کے مالِ غنیمت کا جو خمس بیت المال میں داخل ہوا اس میں سے دیئے گئے، اور یہ ظاہر ہے کہ بیت المال کی اس مد سے مسلم و غیر مسلم دونوں پر خرچ کرنا باتفاق فقہاء جائز ہے، پھر فرمایا کہ امام بیہقیؒ، ابن سید الناس، امام ابن کثیرؒ وغیرہم سب نے یہی قرار دیا ہے کہ یہ عطاء مالِ زکوٰۃ سے نہیں، بلکہ خمسِ غنیمت سے تھی۔

ایک عظیم فائدہ اس سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ خود رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں اموال صدقات اگرچہ بیت المال میں جمع کئے جاتے تھے مگر ان کا حساب بالکل جدا تھا، اور بیت المال کی دوسری مدات جیسے خمسِ غنیمت یا خمس معادن وغیرہ ان کا حساب جُدا، اور ہر ایک کے مصارف جدا تھے، جیسا کہ حضرات فقہاء نے تصریح فرمائی ہے، کہ اسلامی حکومت کے بیت المال میں چار مد علیحدہ علیحدہ رہنی چاہئیں اور اصل حکم یہ ہے کہ صرف حساب علیحدہ رکھنا نہیں بلکہ ہر ایک مد کا بیت المال الگ ہونا چاہئے تاکہ ہر ایک کو اس کے مصرف میں خرچ کرنے کی پوری احتیاط قائم رہے، البتہ اگر کسی وقت کسی خاص مد میں کمی ہو تو دوسری مد سے بطور قرض لے کر اس پر خرچ کیا جا سکتا ہے یہ مداتِ بیت المال یہ ہیں:۔

اوّل خمس غنائم: یعنی جو مال کفار سے بذریعہ جنگ حاصل ہوا اس کے چار حصے مجاہدین میں تقسیم کر کے باقی پانچواں حصہ: بیت المال کا حق ہے، اور خمس معادن یعنی مختلف قسم کی کانوں سے نکلنے والی اشیاء میں سے پانچواں حصہ بیت المال کا حق ہے، خمس رکاز، یعنی جو

قدیم خزانہ کسی زمین سے برآمد ہو اس کا بھی پانچواں حصہ بیت المال کا حق ہے، یہ تینوں قسم کے خمس بیت المال کی ایک ہی مد میں داخل ہیں۔

دوسری مد صدقات ہیں جس میں مسلمانوں کی زکوٰۃ، صدقۃ الفطر، اور ان کی زمینوں کا عشر داخل ہے۔

تیسری مد خراج اور مالِ فئی ہے، جس میں غیر مسلموں کی زمینوں سے حاصل شدہ خراج اور ان کا جزیہ اور ان سے حاصل شدہ تجارتی ٹیکس اور وہ تمام اموال داخل ہیں جو غیر مسلموں سے ان کی رضامندی کے ساتھ مصالحانہ طور پر حاصل ہوں۔

چوتھی مد ضوائع کی ہے، جس میں لاوارث مال، لاوارث شخص کی میراث وغیرہ داخل ہیں، ان چار مدات کے مصارف اگرچہ الگ الگ ہیں، لیکن فقراء و مساکین کا حق ان چاروں مدات میں رکھا گیا ہے، جس سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ اسلامی حکومت میں قوم کے اس ضعیف عنصر کو قوی کرنے کا کس قدر اہتمام کیا گیا ہے، جو درحقیقت اسلامی حکومت کا طغرائی امتیاز ہے؛ ورنہ دنیا کے عام نظاموں میں ایک مخصوص طبقہ ہی بڑھتا رہتا ہے، غریب کو ابھرنے کا موقع نہیں ملتا، جس کے ردِ عمل نے اشتراکیت اور کمیونزم کو جنم دیا، مگر وہ بالکل ایک غیر فطری اصول اور بارش سے بھاگ کر پرنالہ کے نیچے کھڑے ہو جانے کے مرادف اور انسانی اخلاق کے لئے سمِ قاتل ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ اسلامی حکومت میں چار بیت المال چار مدات کے لئے الگ الگ مقرر ہیں اور فقراء و مساکین کا حق چاروں میں رکھا گیا ہے، ان میں سے پہلی تین مدوں کے مصارف خود قرآن کریم نے تفصیل کے ساتھ متعین فرما کر واضح طور پر بیان کر دیئے ہیں، پہلی مد یعنی خمس غنائم کے مصارف کا بیان سورۂ انفال دسویں پارہ کے شروع میں مذکور ہے، اور دوسری مد یعنی صدقات کے مصارف کا بیان سورۂ توبہ کی مذکور الصدر ساٹھویں آیات میں آیا ہے جس کی تفصیل اس وقت زیر بحث ہے، اور تیسری مد جس کو اصطلاح میں مالِ فئی سے تعبیر کیا جاتا ہے، اس کا بیان سورۂ حشر میں تفصیل کے ساتھ آیا ہے، اسلامی حکومت کی اکثر مدات فوجی اخراجات اور عمالِ حکومت کی تنخواہیں وغیرہ اسی مد سے خرچ کی جاتی ہیں، چوتھی مد یعنی لاوارث مال رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایات اور خلفائے راشدین کے تعامل سے اپاہج محتاجوں اور لاوارث بچوں کے لئے مخصوص ہے۔ (شامی، کتاب الزکوٰۃ)

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ حضرات فقہاء نے بیت المال کی چاروں مدات بالکل الگ الگ رکھنے اور اپنے اپنے معینہ مصارف میں خرچ کرنے کی جو ہدایات دی ہیں، یہ سب قرآنی ارشادات

اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم پھر خلفاءِ راشدین کے تعامل سے واضح طور پر ثابت ہیں۔

اس ضمنی فائدہ کے بعد پھر اصل مسئلہ مؤلفۃ القلوب کو سمجھئے کہ مذکور الصدر بیان میں محققین محدثین و فقہاء کی تصریحات سے یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ مؤلفۃ القلوب کا حصہ کسی کافر کو کسی وقت بھی نہیں دیا گیا، نہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں اور نہ خلفاءِ راشدین کے زمانہ میں، اور جن غیر مسلموں کو دینا ثابت ہے وہ مدِ صدقات و زکوٰۃ سے نہیں بلکہ خمسِ غنیمت میں سے دیا گیا ہے، جس میں سے ہر حاجت مند مسلم و غیر مسلم کو دیا جا سکتا ہے، تو مؤلفۃ القلوب صرف مسلم رہ گئے، اور ان میں جو فقراء ہیں ان کا حصہ بدستور باقی ہونے پر پوری امت کا اتفاق ہے، اختلاف صرف اس صورت میں رہ گیا کہ یہ لوگ غنی صاحب نصاب ہوں تو امام شافعیؒ امام احمدؒ کے نزدیک چونکہ تمام مصارفِ زکوٰۃ میں فقر و حاجت مندی شرط نہیں، اس لئے وہ مؤلفۃ القلوب میں ایسے لوگوں کو بھی داخل کرتے ہیں جو غنی اور صاحبِ نصاب ہیں، امام اعظم ابوحنیفہؒ اور امام مالکؒ کے نزدیک عاملینِ صدقہ کے علاوہ باقی تمام مصارف میں فقر و حاجت مندی شرط ہے، اس لئے مؤلفۃ القلوب کا حصہ بھی ان کو اسی شرط کے ساتھ دیا جائے گا کہ وہ فقیر و حاجتمند ہوں، جیسے غارمین اور رقاب، ابن سبیل وغیرہ سب میں اسی شرط کے ساتھ ان کو زکوٰۃ دی جاتی ہے کہ وہ اس جگہ حاجتمند ہوں، گو وہ اپنے مقام میں مال دار ہوں۔

اس تحقیق کا نتیجہ یہ نکلا کہ مؤلفۃ القلوب کا حصہ ائمہ اربعہ کے نزدیک منسوخ نہیں فرق صرف اتنا ہے کہ بعض حضرات نے فقراء و مساکین کے علاوہ کسی دوسرے مصرف میں فقر و حاجت مندی کے ساتھ مشروط نہیں کیا، اور بعض نے یہ شرط کی ہے، جن حضرات نے یہ شرط رکھی ہے وہ مؤلفۃ القلوب میں بھی صرف انہی لوگوں کو دیتے ہیں جو حاجتمند اور غریب ہوں، بہرحال یہ حصہ قائم اور باقی ہے۔ (تفسیر مظہری)

یہاں تک صدقات کے آٹھ مصارف میں سے چار کا بیان آیا ہے، ان چاروں کا حق حرفِ لام کے تحت بیان ہوا، لِلْفُقَرَآءِ وَالْمَسٰكِيْنِ، آگے جن چار مصارف کا ذکر ہے ان میں عنوان بدل کر لام کی جگہ حرف فِيْ استعمال فرمایا وَفِي الرِّقَابِ وَالْغٰرِمِيْنَ، زمخشری نے کشاف میں اس کی وجہ یہ بیان کی ہے کہ اس سے اس بات کی طرف اشارہ کرنا منظور ہے کہ یہ آخری چار مصرف بہ نسبت پہلے چار کے زیادہ مستحق ہیں، کیونکہ حرف فِيْ ظرفیت کے لئے بولا جاتا ہے جس کی وجہ سے معنی یہ پیدا ہوتے ہیں کہ صدقات کو ان لوگوں کے اندر رکھ دینا چاہئے، اور ان کے زیادہ مستحق ہونے کی وجہ ان کا زیادہ ضرورت مند ہونا ہے، کیونکہ جو شخص کسی کا مملوک غلام ہے

وہ بہ نسبت عام فقراء کے زیادہ تکلیف میں ہے، اسی طرح جو کسی کا قرضدار ہے اور قرضخواہوں کا اس پر تقاضا ہے وہ عام غرباء فقراء سے زیادہ تنگی میں ہے کہ اپنے اخراجات کے فکر سے بھی زیادہ قرضداروں کے قرض کی فکر اس کے ذمہ ہے۔

ان باقی ماندہ چار مصارف میں سب سے پہلے وَفِي الرِّقَابِ کا ذکر فرمایا ہے، رقاب رَقَبَۃ کی جمع ہے، اصل میں گردن کو رَقَبَہ کہتے ہیں، عرف میں اس شخص کو رَقَبَہ کہہ دیا جاتا ہے جس کی گردن کسی دوسرے کی غلامی میں مقید ہو۔

اس میں فقہاء کا اختلاف ہے کہ رقاب سے مراد اس آیت میں کیا ہے؟ جمہور فقہاء و محدثین اس پر ہیں کہ اس سے مراد وہ غلام ہیں جن کے آقاؤں نے کوئی مقدار مال کی متعین کر کے کہہ دیا ہے کہ اتنا مال کما کر ہمیں دیدو تو تم آزاد ہو جس کو قرآن و سنت کی اصطلاح میں مُکاتَب کہا جاتا ہے، ایسے شخص کو آقا اس کی اجازت دیدیتا ہے کہ وہ تجارت یا مزدوری کے ذریعہ مال کمائے، اور آقا کو لا کر دے، آیتِ مذکورہ میں رقاب سے مراد یہ ہے کہ اس شخص کو رقم زکوٰۃ میں سے حصہ دے کر اس کی گلو خلاصی میں امداد کی جائے۔

یہ قسم غلاموں کی باتفاق مفسرین و فقہاء لفظ وَفِي الرِّقَابِ کی مراد ہے، کہ رقم زکوٰۃ ان کو دے کر ان کی گلو خلاصی میں امداد کی جائے، ان کے علاوہ دوسرے غلاموں کو خرید کر آزاد کرنا یا ان کے آقاؤں کو رقم زکوٰۃ دے کر یہ معاہدہ کر لینا کہ وہ ان کو آزاد کر دیں گے، اس میں ائمہ فقہاء کا اختلاف ہے، جمہور ائمہ ابو حنیفہؒ، شافعیؒ، احمد بن حنبلؒ وغیرہ رحمہم اللہ اس کو جائز نہیں سمجھتے، اور حضرت امام مالکؒ بھی ایک روایت میں جمہور کے ساتھ متفق ہیں کہ فِي الرِّقَابِ کو صرف مکاتب غلاموں کے ساتھ مخصوص فرماتے ہیں، اور ایک روایت میں امام مالکؒ سے یہ بھی منقول ہے وہ فِي الرِّقَابِ میں عام غلاموں کو داخل کر کے اس کی بھی اجازت دیتے ہیں کہ رقم زکوٰۃ سے غلام خرید کر آزاد کئے جائیں (احکام القرآن ابن عربی مالکی)

جمہور ائمہ و فقہاء جو اس کو جائز نہیں رکھتے، ان کے پیش نظر ایک فقہی اشکال ہے کہ اگر رقم زکوٰۃ سے غلام کو خرید کر آزاد کیا گیا تو اس پر صدقہ کی تعریف ہی صادق نہیں آتی، کیونکہ صدقہ وہ مال ہے جو کسی مستحق کو بلا معاوضہ دیا جائے، رقم زکوٰۃ اگر آقا کو دی جائے تو ظاہر ہے کہ نہ وہ مستحق زکوٰۃ ہے اور نہ اس کو یہ رقم بلا معاوضہ... دی جا رہی ہے، اور غلام جو مستحق زکوٰۃ ہے اس کو یہ رقم دی نہیں گئی، یہ الگ بات ہے کہ اس رقم کے دینے کا فائدہ غلام کو پہونچ گیا کہ اس نے خرید کر آزاد کر دیا، مگر آزاد کرنا صدقہ کی تعریف میں داخل نہیں ہوتا، اور حقیقی معنی کو بلاوجہ چھوڑ کر صدقہ کے مجازی معنی یعنی عام مراد لینے کا بلا ضرورت کوئی جواز نہیں، اور یہ بھی ظاہر ہے کہ آیت مذکورہ میں

معارف صدقات کے بیان کئے جارہے ہیں، اس لئے فِی الرِّقَابِ کا مصداق کوئی ایسی چیز نہیں بن سکتی جس پر صدقہ کی تعریف ہی صادق نہ آئے، اور اگر یہ رقم زکوٰۃ خود غلام کو دی جائے تو غلام کی کوئی ملک نہیں ہوتی وہ خود بخود آقا کا مال بن جائے گا، پھر آزاد کرنا نہ کرنا بھی اس کے اختیار میں رہے گا۔

اس فقہی اشکال کی وجہ سے جمہور ائمہ اور فقہاء نے فرمایا کہ فِی الرِّقَابِ سے مراد صرف غلام مکاتَب ہیں، اس سے یہ بھی معلوم ہوگیا کہ صدقہ کی ادائیگی کے لئے یہ شرط ہے کہ کسی مستحق کو مالک بنا کر اس کے قبضہ میں دیدیا جائے جب تک مستحق کا مالکانہ قبضہ اس پر نہیں ہوگا زکوٰۃ ادا نہیں ہوگی۔

چھٹا مصرف اَلْغَارِمِیْنَ، غارم کی جمع ہے، جس کے معنی مدیون یعنی قرضدار کے ہیں یہ پہلے ذکر کیا جاچکا ہے کہ پانچواں اور چھٹا مصرف جو حرف فِیْ کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔ استحقاق میں پہلے چاروں مصارف سے زیادہ ہیں، اس لئے غلام کی گلو خلاصی کے لئے یا قرضدار کو ادائے قرض کے لئے دینا عام فقراء و مساکین کو دینے سے زیادہ افضل ہے، شرط یہ ہے کہ اس قرضدار کے پاس اتنا مال نہ ہو جس سے وہ قرض ادا کرسکے، کیونکہ غارم لغت میں ایسے ہی قرضدار کو کہا جاتا ہے، اور بعض ائمۂ فقہاء نے یہ شرط بھی لگائی ہے کہ یہ قرض اس نے کسی ناجائز کام کے لئے نہ کیا ہو، اور اگر کسی گناہ کے لئے قرض کرلیا جیسے شراب وغیرہ یا شادی غمی کی ناجائز رسمیں وغیرہ تو ایسے قرضدار کو مدِ زکوٰۃ سے نہ دیا جائے گا، تاکہ اس کی معصیت اور اسراف بے جا کی حوصلہ افزائی نہ ہو۔

ساتواں مصرف فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ ہے، یہاں پھر حرف فِیْ کا اعادہ کیا گیا۔ تفسیر کشاف میں ہے کہ اس اعادہ سے اس طرف اشارہ کرنا منظور ہے کہ یہ مصرف پہلے سب مصارف سے افضل اور بہتر ہے، وجہ یہ کہ اس میں دو فائدے ہیں ایک تو غریب مفلس کی امداد دوسرے ایک دینی خدمت میں اعانت، کیونکہ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ سے مراد وہ غازی اور مجاہد ہے، جس کے پاس اسلحہ اور جنگ کا ضروری سامان خریدنے کے لئے مال نہ ہو، یا وہ شخص جس کے ذمہ حج فرض ہوچکا ہو مگر اس کے پاس اب مال نہیں رہا جس سے وہ حج فرض ادا کرے، یہ دونوں کام خالص دینی خدمت اور عبادت ہیں، اس لئے مالِ زکوٰۃ کو ان پر خرچ کرنے میں ایک مفلس کی امداد بھی ہے اور ایک عبادت کی ادائیگی میں تعاون بھی، اسی طرح حضرات فقہاء نے طالب علموں کو بھی اس میں شامل کیا ہے کہ وہ بھی ایک عبادت کی ادائیگی کے لئے لیتے ہیں (روح بحوالہ ظہیریہ)

اور صاحب بدائع نے فرمایا کہ ہر وہ شخص جو کوئی نیک کام یا عبادت کرنا چاہتا ہے

اور اس کی ادائیگی میں مال کی ضرورت ہے تو وہ بھی فی سبیل اللہ میں داخل ہے بشرطیکہ اس کے پاس اتنا مال نہ ہو جس سے اس کام کو پورا کرسکے، جیسے دین کی تعلیم اور تبلیغ اور ان کے لئے نشر و اشاعت، کہ اگر کوئی مستحق زکوٰۃ یہ کام کرنا چاہے تو اس کی امداد مالِ زکوٰۃ سے کردی جائے مگر مالدار صاحبِ نصاب کو نہیں دیا جاسکتا۔

مذکورہ تفصیل سے معلوم ہوا کہ ان تمام صورتوں میں جو "فی سبیل اللہ" کی تفسیر میں مذکور ہیں فقر و حاجتمندی کی شرط ملحوظ ہے، غنی صاحب نصاب کا اس مد میں بھی حصہ نہیں، بجز اس کے کہ اس کا موجودہ مال اس ضرورت کو پورا نہ کرسکتا ہو، جو جہاد یا حج کے لئے درپیش ہے تو اگرچہ بقدر نصاب مال موجود ہونے کی وجہ سے اس کو غنی کہہ سکتے ہیں، جیسا کہ ایک حدیث میں اس کو غنی کہا گیا ہے، مگر وہ بھی اس اعتبار سے فقیر و حاجتمند ہی ہوگیا کہ جس قدر مال جہاد یا حج کے لئے درکار ہے وہ اس کے پاس موجود نہیں، فتح القدیر میں شیخ ابن ہمامؒ نے فرمایا کہ آیت صدقات میں جتنے مصرف ذکر کئے گئے ہیں ہر ایک کے الفاظ خود اس پر دلالت کرتے ہیں کہ وہ فقر و حاجتمندی کی بناء پر مستحق ہیں، لفظ فقیر و مسکین میں تو یہ ظاہر ہی ہے، رقاب، غارمین، فی سبیل اللہ ابن السبیل کے الفاظ بھی اس طرف مشیر ہیں کہ ان کی حاجت روائی کی بناء پر ان کو دیا جاتا ہے، البتہ عاملین کو بطور معاوضۂ خدمت دیا جاتا ہے، اسی لئے اس میں غنی و فقیر برابر ہیں، جیسے غارمین کے مصرف میں بیان کیا جاچکا ہے کہ جس شخص کے ذمہ دس ہزار روپیہ قرض ہے اور پانچ ہزار روپیہ اس کے پاس موجود ہے تو اس کو بقدر پانچ ہزار کے زکوٰۃ دی جاسکتی ہے، کیونکہ جو مال اس کے پاس موجود ہے وہ قرض کی وجہ سے نہ ہونے کے حکم میں ہے۔

تنبیہ

لفظ فی سبیل اللہ کے لفظی معنی بہت عام ہیں، جو جو کام اللہ کی رضا جوئی کے لئے کئے جائیں وہ سب اس عام مفہوم کے اعتبار سے فی سبیل اللہ میں داخل ہیں، جو لوگ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تفسیر و بیان اور ائمۂ تفسیر کے ارشادات سے قطع نظر محض لفظی ترجمہ کے ذریعہ قرآن سمجھنا چاہتے ہیں یہاں ان کو یہ مغالطہ لگا ہے کہ لفظ فی سبیل اللہ دیکھ کر زکوٰۃ کے مصارف میں ان تمام کاموں کو داخل کردیا جو کسی حیثیت سے نیکی یا عبادت ہیں، مساجد، مدارس، شفاخانوں، مسافرخانوں وغیرہ کی تعمیر، کنویں اور پل اور سڑکیں بنانا، اور ان رفاہی اداروں کے ملازمین کی تنخواہیں اور تمام دفتری ضروریات ان سب کو انھوں نے فی سبیل اللہ میں داخل کرکے مصرف زکوٰۃ قرار دیدیا، جو سراسر غلط ہے، اور اجماع امت کے خلاف ہے، صحابۂ کرام جنھوں نے قرآن کو براہ راست رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے پڑھا اور سمجھا ہے ان کی اور ائمۂ تابعین کی جتنی تفسیریں

اس لفظ کے متعلق منقول ہیں ان میں اس لفظ کو حجاج اور مجاہدین کے لئے مخصوص قرار دیا گیا ہو۔

اور ایک حدیث میں ہے کہ ایک شخص نے اپنے ایک اونٹ کو فی سبیل اللہ...... وقف کر دیا تھا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو فرمایا کہ اس اونٹ کو حجاج کے سفر میں استعمال کرو (مبسوط سرخسی، ص ۱۰ ج ۳)

امام ابن جریر، ابن کثیر، قرآن کی تفسیر روایات حدیث ہی سے کرنے کے پابند ہیں، ان سب نے لفظ فی سبیل اللہ کو ایسے مجاہدین اور حجاج کے لئے مخصوص کیا ہے جن کے پاس جہاد یا حج کا سامان نہ ہو، اور جن حضرات فقہاء نے طالب علموں یا دوسرے نیک کام کرنے والوں کو اس میں شامل کیا ہے تو اس شرط کے ساتھ کیا ہے کہ وہ فقیر و حاجتمند ہوں، اور یہ ظاہر ہے کہ فقیر و حاجتمند تو خود ہی مصارف زکوٰۃ میں سب سے پہلا مصرف ہیں، ان کو فی سبیل اللہ کے مفہوم میں شامل نہ کیا جاتا جب بھی وہ مستحق زکوٰۃ تھے، لیکن ائمہ اربعہ اور فقہاء امت میں سے یہ کسی نے نہیں کہا کہ رفاہِ عام کے اداروں اور مساجد و مدارس کی تعمیر اور ان کی جملہ ضروریات مصارفِ زکوٰۃ میں داخل ہیں، بلکہ اس کے خلاف اس کی تصریحات فرمائی ہیں کہ مالِ زکوٰۃ ان چیزوں میں صرف کرنا جائز نہیں، فقہاء حنفیہ میں سے شمس الائمہ سرخسی نے مبسوط اور شرح سیر میں اور فقہاء شافعیہ میں ابو عبید نے کتاب الاموال میں اور فقہاء مالکیہ میں سے دردیر نے شرح مختصر خلیل میں اور فقہاء حنابلہ میں سے موفق نے مغنی میں اس کو پوری تفصیل سے لکھا ہے۔

ائمہ تفسیر اور فقہاء امت کی مذکورہ تصریحات کے علاوہ اگر ایک بات پر غور کر لیا جائے تو اس مسئلہ کے سمجھنے کے لئے بالکل کافی ہے وہ یہ کہ اگر زکوٰۃ کے مسئلہ میں اتنا عموم ہوتا کہ تمام طاعات و عبادات اور ہر قسم کی نیکی پر خرچ کرنا اس میں داخل ہو تو پھر قرآن میں ان آٹھ مصرفوں کا بیان (معاذ اللہ) بالکل فضول ہو جاتا ہے، اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد جو پہلے اسی سلسلہ میں بیان ہو چکا ہے کہ آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مصارفِ صدقات متعین کرنے کا کام نبی کو بھی سپرد نہیں کیا، بلکہ خود ہی اس کے آٹھ مصرف متعین فرما دیئے۔

تو اگر فی سبیل اللہ کے مفہوم میں تمام طاعات اور نیکیاں داخل ہیں اور ان میں سے ہر ایک میں زکوٰۃ کا مال خرچ کیا جا سکتا ہے تو معاذ اللہ یہ ارشادِ نبوی ﷺ بالکل غلط ٹھہرتا ہے، معلوم ہوا کہ فی سبیل اللہ کے لغوی ترجمہ سے جو ناواقف کو عموم سمجھ میں آتا ہے وہ

لہ مبسوط، ص۲۰۲ ج ۲ ۔ ۲؎ شرح سیر ص۲۴۴ ج ۴ ۔ ۳؎ شرح مختصر الخلیل ص۱۶۹/۱۲۰

اللہ تعالیٰ کی مراد نہیں ہے، بلکہ مراد وہ ہے جو رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بیان اور صحابہ و تابعین کی تصریحات سے ثابت ہے۔

آٹھواں مصرف ابن السبیل ہے، سبیل کے معنی راستہ، اور ابن کا لفظ اصل میں تو بیٹے کے لئے بولا جاتا ہے، لیکن عربی محاورات میں ابنؔ اور ابٌ اور اخٌ وغیرہ کے الفاظ ان چیزوں کے لئے بھی بولے جاتے ہیں جن کا گہرا تعلق کسی سے ہو، اسی محاورہ کے مطابق ابن السبیل راہ گیر، مسافر کو کہا جاتا ہے، کیونکہ ان کا گہرا تعلق راستہ قطع کرنے اور منزل مقصود پر پہنچنے سے ہے، اور مصارفِ زکوٰۃ میں اس سے مراد وہ مسافر ہے جس کے پاس سفر میں بقدرِ ضرورت مال نہ ہو، اگرچہ اس کے وطن میں اس کے پاس کتنا ہی مال ہو، ایسے مسافر کو مالِ زکوٰۃ دیا جا سکتا ہے جس سے وہ اپنے سفر کی ضروریات پوری کرلے، اور وطن واپس جا سکے۔

یہاں تک اُن آٹھ مصارف کا بیان پورا ہو گیا جو آیتِ مذکورہ میں صدقاتِ زکوٰۃ کے لئے بیان فرمائے گئے ہیں، اب کچھ ایسے مسائل بیان کئے جاتے ہیں جن کا تعلق ان تمام مصارف سے یکساں ہے۔

مسئلہ تملیک جمہور فقہاء اس پر متفق ہیں کہ زکوٰۃ کے معینہ آٹھ مصارف میں بھی زکوٰۃ کی ادائیگی کے لئے یہ شرط ہے کہ ان مصارف میں سے کسی مستحق کو مالِ زکوٰۃ پر مالکانہ قبضہ دیدیا جائے، بغیر مالکانہ قبضہ دیئے اگر کوئی مال انہی لوگوں کے فائدے کے لئے خرچ کر دیا گیا تو زکوٰۃ ادا نہیں ہوگی، اسی وجہ سے ائمہ اربعہ اور جمہور فقہاء امت اس پر متفق ہیں کہ رقمِ زکوٰۃ کو مساجد یا مدارس یا شفاخانے، یتیم خانے کی تعمیر میں یا ان کی دوسری ضروریات میں صرف کرنا جائز نہیں، اگرچہ ان تمام چیزوں سے فائدہ ان فقراء اور دوسرے حضرات کو پہونچتا ہے جو مصرفِ زکوٰۃ ہیں، مگر ان کا مالکانہ قبضہ ان چیزوں پر نہ ہونے کے سبب زکوٰۃ اس سے ادا نہیں ہوتی۔

البتہ یتیم خانوں میں اگر یتیموں کا کھانا کپڑا وغیرہ مالکانہ حیثیت سے دیا جاتا ہے تو صرف اس خرچ کی حد تک رقمِ زکوٰۃ صرف ہو سکتی ہے، اسی طرح شفاخانوں میں جو دوا حاجت مند غرباء کو مالکانہ حیثیت سے دیدی جائے اس کی قیمت رقمِ زکوٰۃ میں محسوب ہو سکتی ہے، اسی طرح فقہاءِ امت کی تصریحات ہیں کہ لاوارث میت کا کفن رقمِ زکوٰۃ سے نہیں لگایا جا سکتا، کیونکہ میت میں مالک ہونے کی صلاحیت نہیں، ہاں یہ ہو سکتا ہے کہ رقمِ زکوٰۃ کسی غریب مستحق کو دیدی جائے اور وہ اپنی خوشی سے اس رقم کو لاوارث میت

کے کفن پر خرچ کر دے، اسی طرح اگر اس میت کے ذمہ قرض ہے تو اس قرض کو رقم زکوٰۃ سے براہ راست ادا نہیں کیا جا سکتا، ہاں اس کے وارث غریب مستحق زکوٰۃ ہوں، تو ان کو مالکانہ طور سے دیا جا سکتا ہے، وہ اس رقم کے مالک ہو کر اپنی رضامندی کے ساتھ اس رقم سے میت کا قرض ادا کر سکتے ہیں، اسی طرح رفاہ عام کے سب کام جیسے کنواں یا پل یا سڑک وغیرہ کی تعمیر، اگرچہ ان کا فائدہ مستحقین زکوٰۃ کو بھی پہونچتا ہے، مگر ان کا مالکانہ قبضہ نہ ہونے کے سبب اس سے ...... زکوٰۃ کی ادائیگی نہیں ہوتی۔

ان مسائل میں چاروں ائمہ مجتہدین ابوحنیفہ، شافعی، مالک، احمد بن حنبل رحمہم اللہ اور جمہور فقہاء امت متفق ہیں، شمس الائمہ سرخسیؒ نے اس مسئلہ کو امام محمدؒ کی کتابوں کی شرح مبسوط اور شرح سیر میں پوری تحقیق اور تفصیل کے ساتھ لکھا ہے، اور فقہاء شافعیہ، مالکیہ، حنابلہ کی عام کتابوں میں اس کی تصریحات موجود ہیں۔

فقیہ شافعی امام ابوعبیدہ نے کتاب الاموال میں فرمایا کہ میت کی طرف سے اس کے قرض کی ادائیگی یا اس کے دفن کے اخراجات میں اور مساجد کی تعمیر میں، نہر کھودنے وغیرہ میں مالِ زکوٰۃ خرچ کرنا جائز نہیں، کیونکہ سفیان ثوریؒ اور تمام ائمہ اس پر متفق ہیں کہ اس میں خرچ کرنے سے زکوٰۃ ادا نہیں ہوتی، کیونکہ یہ ان آٹھ مصارف میں سے نہیں ہیں جن کا ذکر قرآن کریم میں آیا ہے۔

اسی طرح فقیہ حنبلی موفقؒ نے مغنی میں لکھا ہے کہ بجز ان مصارف کے جن کا بیان قرآن کریم میں مذکور ہے اور کسی نیک کام میں مالِ زکوٰۃ خرچ کرنا جائز نہیں جیسے مساجد یا پلوں اور پانی کی سبیلوں کی تعمیر یا سڑکوں کی درستی یا مُردوں کو کفن دینا یا مہمانوں کو کھانا کھلانا وغیرہ جو بلاشبہ موجب ثواب ہیں، مگر مصارفِ صدقات میں داخل نہیں۔

ملک العلماء نے بدائع میں ادائگی زکوٰۃ کے لئے شرطِ تملیک کی یہ دلیل دی ہے کہ قرآن میں عموماً زکوٰۃ اور صدقات واجبہ کا لفظ ایتاء کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے آقِیمُوا الصَّلٰوۃَ وَاٰتُوا الزَّکٰوۃَ، اَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ وَاٰتُوا الزَّکٰوۃَ، اِقَامَ الصَّلٰوۃِ وَاِیْتَآءَ الزَّکٰوۃِ، اٰتُوْا حَقَّهٗ یَوْمَ حَصَادِهٖ وغیرہ اور لفظ ایتاء لغت میں عطاء کرنے کے معنی میں آتا ہے، امام راغب اصفہانیؒ نے مفردات القرآن میں فرمایا وَالْاِیْتَاءُ الْاِعْطَاءُ وَخُصَّ وَضْعُ الصَّدَقَةِ فِی الْقُرْاٰنِ بِالْاِیْتَاءِ، یعنی ایتاء کے معنی عطاء فرمانے کے ہیں، اور قرآن میں صدقہ واجبہ ادا کرنے کو ایتاء کے لفظ کے ساتھ مخصوص فرمایا ہے" اور ظاہر ہے کہ کسی کو کوئی چیز عطاء کرنے کا مفہوم حقیقی یہی ہے کہ اس کو اس

چیز کا مالک بنا دیا جائے۔

اور علاوہ زکوٰۃ و صدقات کے بھی لفظ ایتاء قرآن کریم میں مالک بنا دینے ہی کے لئے استعمال ہوا ہے، مثلاً وَاٰتُوا النِّسَآءَ صَدُقٰتِهِنَّ، یعنی دیدو عورتوں کو ان کے مہر، ظاہر ہے مہر کی ادائیگی جب ہی تسلیم ہوتی ہے جب رقم مہر پر عورت کو مالکانہ قبضہ دیدیا جائے۔

دوسرے یہ کہ قرآن کریم میں زکوٰۃ کو صدقہ کے لفظ سے تعبیر فرمایا ہے، اِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلْفُقَرَآءِ اور صدقہ کے معنی حقیقی یہی ہیں کہ کسی فقیر حاجتمند کو اس کا مالک بنا دیا جائے۔ کسی کو کھانا کھلا دینا یا رفاہِ عام کے کاموں میں خرچ کر دینا حقیقی معنی کے اعتبار سے صدقہ نہیں کہلاتا، شیخ ابن ہمام نے فتح القدیر میں فرمایا کہ حقیقت صدقہ کی بھی یہی ہے کہ کسی فقیر کو اس مال کا مالک بنا دیا جائے اسی طرح امام جصاص نے احکام القرآن میں فرمایا کہ لفظ صدقہ تملیک کا نام ہے (جصاص، ص ۱۵۲ ج ۲)

ادائے زکوٰۃ کے متعلق بعض اہم مسائل

مسئلہ صحیح حدیث میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذؓ کو صدقات وصول کرنے کے بارے میں یہ ہدایت دی تھی کہ تُؤْخَذُ مِنْ اَغْنِیَآئِهِمْ وَتُرَدُّ فِیْ فُقَرَآئِهِمْ، یعنی صدقات مسلمانوں کے اغنیاء سے لیکر انہی کے فقراء میں صرف کر دو، اس کی بناء پر فقہاء رحمہم اللہ نے فرمایا ہے کہ بلاضرورت ایک شہر یا بستی کی زکوٰۃ دوسرے شہر یا بستی میں نہ بھیجی جائے، بلکہ اسی شہر اور بستی کے فقراء اس کے زیادہ حق دار ہیں، البتہ اگر کسی شخص کے عزیز قریب غریب ہیں اور وہ کسی دوسرے شہر میں ہیں تو اپنی زکوٰۃ ان کو بھیج سکتا ہے، کیونکہ رسول کریم صلی اللہ علیہ نے اس میں دوہرے اجر و ثواب کی بشارت دی ہے۔

اسی طرح اگر کسی دوسری بستی کے لوگوں کا فقر و فاقہ اور اپنے شہر سے زیادہ ضرورت معلوم ہو تو بھی وہاں بھیجا جا سکتا ہے، کیونکہ مقصد صدقات دینے کا فقراء کی حاجت کو رفع کرنا ہے، اسی وجہ سے حضرت معاذؓ یمن کے صدقات میں اکثر کپڑے لیا کرتے تھے تاکہ فقراء مہاجرین کے لئے مدینہ طیبہ بھیج دیں (قرطبی بحوالۂ دارقطنی)

اگر ایک شخص خود کسی شہر میں رہتا ہے، مگر اس کا مال دوسرے شہر میں ہے تو جس شہر میں خود رہتا ہے اس کا اعتبار ہوگا، کیونکہ ادائے زکوٰۃ کا مخاطب یہی شخص ہے (قرطبی)

مسئلہ: جس مال کی زکوٰۃ واجب ہو اس کی ادائیگی کے لئے یہ بھی جائز ہے کہ اسی مال کا چالیسواں حصہ نکال کر مستحقین کو دیدے، جیسے تجارتی کپڑا، برتن، فرنیچر وغیرہ اور یہ بھی ہے کہ مقدار زکوٰۃ مال کی قیمت نکال کر وہ مستحقین میں تقسیم کرے، احادیث صحیحہ

سے ایسا کرنا ثابت ہو (قرطبی) اور بعض ائمۂ فقہاء نے فرمایا کہ اس زمانہ میں نقد قیمت ہی دینا زیادہ بہتر ہے، کیونکہ فقراء کی ضرورتیں مختلف اور کثیر ہیں، نقد پیسوں کو کسی بھی ضرورت کے کام میں لایا جا سکتا ہے۔

مسئلہ: اگر اپنے عزیز غریب لوگ مستحق زکوٰۃ ہوں تو ان کو زکوٰۃ و صدقات دینا زیادہ بہتر اور دوہرا ثواب ہے، ایک ثواب صدقہ کا دوسرا صلہ رحمی کا، اس میں یہ بھی ضروری نہیں کہ ان کو یہ جتلا کر دے کہ صدقہ یا زکوٰۃ دے رہا ہوں، کسی تحفہ یا ہدیہ کے عنوان سے بھی دیا جا سکتا ہے، تاکہ لینے والے شریف آدمی کو اپنی خفت محسوس نہ ہو۔

مسئلہ: جو شخص اپنے آپ کو اپنے قول یا عمل سے مستحق زکوٰۃ حاجت مند ظاہر کرے اور صدقات وغیرہ کا سوال کرے، کیا دینے والوں کے لئے یہ ضروری ہے کہ اس کے حقیقی حالات کی تحقیق کریں، اور بغیر اس کے صدقہ نہ دیں، اس کے متعلق روایاتِ حدیث اور اقوالِ فقہاء یہ ہیں کہ اس کی ضرورت نہیں، بلکہ اس کے ظاہری حال سے اگر یہ گمان غالب ہو کہ یہ شخص حقیقت میں فقیر حاجت مند ہے تو اس کو زکوٰۃ دی جا سکتی ہے، جیسا کہ حدیث میں ہے کہ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں کچھ لوگ نہایت شکستہ حال آئے، آپ نے ان کے لئے لوگوں سے صدقات جمع کرنے کے لئے فرمایا کافی مقدار جمع ہوگئی تو وہ ان کو دیدی گئی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی ضرورت نہیں سمجھی کہ ان لوگوں کے اندرونی حالات کی تحقیق فرماتے (قرطبی)

البتہ قرطبی نے احکام القرآن میں فرمایا کہ مصارف صدقات میں سے ایک مدیون بھی ہے اگر کوئی شخص یہ کہے کہ میرے ذمہ اتنا قرض ہے اس کی ادائیگی کے لئے مجھے زکوٰۃ کی رقم دیدی جائے تو اس قرض کا ثبوت اس سے طلب کرنا چاہئے (قرطبی) اور ظاہر یہ ہے کہ غارم، فی سبیل اللہ، ابن السبیل وغیرہ میں بھی ایسی تحقیق کر لینا دشوار نہیں، ان مصارف میں حسب موقع تحقیق کر لینا چاہئے۔

مسئلہ: مال زکوٰۃ اپنے عزیز رشتہ داروں کو دینا زیادہ ثواب ہے، مگر میاں بی بی اور والدین و اولاد آپس میں ایک دوسرے کو نہیں دے سکتے، وجہ یہ ہے کہ ان کو دینا ایک حیثیت سے اپنے ہی پاس رکھنا ہے، کیونکہ ان لوگوں کے مصارف عموماً مشترک ہوتے ہیں، شوہر نے اگر بیوی کو یا بیوی نے شوہر کو اپنی زکوٰۃ دیدی، تو درحقیقت وہ اپنے ہی استعمال میں رہی، اسی طرح والدین اور اولاد کا معاملہ ہے، اولاد کی اولاد اور دادا پردادا کا بھی یہی حکم ہے کہ ان کو زکوٰۃ دینا جائز نہیں۔

مسئلہ: اگر کسی شخص نے کسی شخص کو اپنے گمان کے مطابق مستحق اور مصرفِ زکوٰۃ سمجھ کر زکوٰۃ دیدی، بعد میں معلوم ہوا کہ وہ اسی کا غلام یا کافر تھا تو زکوٰۃ ادا نہیں ہوگی، دوبارہ دینی چاہئے کیونکہ غلام کی ملکیت تو آقا ہی کی ملکیت ہوتی ہے، وہ اس کی مِلک سے نکلا ہی نہیں، اس لئے زکوٰۃ ادا نہیں ہوئی، اور کافر زکوٰۃ کا مصرف نہیں ہے۔

اس کے علاوہ اگر بعد میں یہ ثابت ہو کہ جس کو زکوٰۃ دی گئی ہے وہ مالدار یا سید ہاشمی یا اپنا باپ یا بیٹا یا بیوی یا شوہر ہے تو زکوٰۃ کے اعادہ کی ضرورت نہیں، کیونکہ رقم زکوٰۃ اس کی مِلک سے نکل کر محلِ ثواب میں پہونچ چکی ہے، اور تعیینِ مصرف میں جو غلطی کسی اندھیرے یا مغالطہ کی وجہ سے ہوگئی وہ معاف ہے (درمختار) آیت صدقات کی تفسیر اور اس کے متعلقہ مسائل کی تفصیل بقدر ضرورت پوری ہوگئی۔

وَمِنْهُمُ الَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ النَّبِيَّ وَيَقُوْلُوْنَ هُوَ اُذُنٌ ؕ قُلْ
اور بعضے ان میں بدگوئی کرتے ہیں نبیؐ کی اور کہتے ہیں یہ شخص تو کان ہے تو کہہ
اُذُنُ خَيْرٍ لَّكُمْ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَيُؤْمِنُ لِلْمُؤْمِنِيْنَ وَرَحْمَةٌ
کان ہے تمہارے بھلے کے واسطے یقین رکھتا ہے اللہ پر اور یقین کرتا ہے مسلمانوں کی بات کا اور رحمت ہے
لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ ؕ وَالَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ رَسُوْلَ اللّٰهِ لَهُمْ
ایمان والوں کے حق میں تم میں سے اور جو لوگ بدگوئی کرتے ہیں اللہ کے رسول کی ان کے لئے
عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۶۱﴾ يَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ لَكُمْ لِيُرْضُوْكُمْ ۚ وَاللّٰهُ
عذاب ہے دردناک، قسمیں کھاتے ہیں اللہ کی تمہارے آگے تاکہ تم کو راضی کریں، اور اللہ کو
وَرَسُوْلُهٗٓ اَحَقُّ اَنْ يُّرْضُوْهُ اِنْ كَانُوْا مُؤْمِنِيْنَ ﴿۶۲﴾ اَلَمْ
اور اس کے رسول کو بہت ضرور ہے راضی کرنا اگر وہ ایمان رکھتے ہیں، کیا وہ
يَعْلَمُوْٓا اَنَّهٗ مَنْ يُّحَادِدِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَاَنَّ لَهٗ نَارَ جَهَنَّمَ
جان نہیں چکے کہ جو کوئی مقابلہ کرے اللہ سے اور اس کے رسول سے تو اس کیواسطے ہے دوزخ
خَالِدًا فِيْهَا ؕ ذٰلِكَ الْخِزْيُ الْعَظِيْمُ ﴿۶۳﴾ يَحْذَرُ الْمُنٰفِقُوْنَ
کی آگ سدا رہے اس میں، یہی ہے بڑی رسوائی، ڈرا کرتے ہیں منافق

أَنْ تُنَزَّلَ عَلَيْهِمْ سُورَةٌ تُنَبِّئُهُمْ بِمَا فِي قُلُوبِهِمْ ۚ قُلِ اسْتَهْزِئُوا

اس بات سے کہ نازل ہو مسلمانوں پر ایسی سورت کہ جتادے ان کو جو اُن کے دل میں ہے، تو کہہ دے ٹھٹھے کرتے رہو

إِنَّ اللَّهَ مُخْرِجٌ مَا تَحْذَرُونَ ﴿٦٤﴾ وَلَئِنْ سَأَلْتَهُمْ لَيَقُولُنَّ

اللہ کھول کر رہیگا اس چیز کو جس کا تم کو ڈر ہے، اور اگر تو ان سے پوچھے تو وہ کہیں گے

إِنَّمَا كُنَّا نَخُوضُ وَنَلْعَبُ ۚ قُلْ أَبِاللَّهِ وَآيَاتِهِ وَرَسُولِهِ كُنْتُمْ

ہم تو بات چیت کرتے تھے اور دل لگی، تو کہہ کیا اللہ سے اور اس کے حکموں سے اور اس کے رسول سے

تَسْتَهْزِئُونَ ﴿٦٥﴾ لَا تَعْتَذِرُوا قَدْ كَفَرْتُمْ بَعْدَ إِيمَانِكُمْ ۚ

تم ٹھٹھے کرتے تھے، بہانے مت بناؤ تم تو کافر ہوگئے اظہار ایمان کے پیچھے،

إِنْ نَعْفُ عَنْ طَائِفَةٍ مِنْكُمْ نُعَذِّبْ طَائِفَةً بِأَنَّهُمْ

اگر ہم معاف کر دیں گے تم میں سے بعضوں کو تو البتہ عذاب بھی دیں گے بعضوں کو اس

كَانُوا مُجْرِمِينَ ﴿٦٦﴾ ع ۱۴

سبب سے کہ وہ گنہگار تھے۔

خلاصۂ تفسیر

اور ان (منافقین) میں بعضے ایسے ہیں کہ نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) کو ایذائیں پہنچاتے ہیں (یعنی آپ کی شان میں ایسی باتیں کہتے ہیں کہ سن کر آپ کو ایذا ہو) اور (جب کوئی روکتا ہے تو) کہتے ہیں کہ آپ ہر بات کان دے کر سن لیتے ہیں (آپ کو جھوٹ بول کر دھوکہ دیدینا آسان ہے، اس لئے کچھ فکر نہیں) آپ (جواب میں) فرما دیجئے کہ (تم کو خود دھوکہ ہوا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کسی بات کو سن لینا دو طور پر ہے، ایک تصدیق کے طور پر کہ دل سے بھی اس کو صحیح سمجھیں، دوسرا خوش خلقی اور کریم النفسی کے طور پر کہ باوجود یہ جان لینے کے کہ یہ بات محض غلط ہے شرافتِ نفس اور حسنِ خلق کی بناء پر اُس کو ٹال دیں، اور کہنے والے پر داروگیر یا اس کی صریح تکذیب نہ کریں سو) وہ نبی کان دے کر تو وہی بات سنتے ہیں جو تمہارے حق میں خیر (ہی خیر) ہے، (جس کا حاصل اور نتیجہ یہ ہے) کہ وہ اللہ (کی باتوں وحی سے معلوم کرکے ان) پر ایمان لاتے ہیں (جن کی تصدیق کا خیر ہونا تمام عالم کے لئے ظاہر ہے، کیونکہ تعلیم اور عدل اسی

تصدیق پر موقوف ہے) اور (مؤمنین (مخلصین کی باتوں) کا (جو بحیثیت ایمان و اخلاص ہوں) یقین کرتے ہیں (اس کا خیر ہونا بھی ظاہر ہے کہ عدلِ عام موقوف ہے احوال کی صحیح اطلاع پر اور اس کا ذریعہ یہی مؤمنین مخلصین ہیں، غرض کان دے کر اور سچا سمجھ کر تو صرف سچے اور مخلصین کی باتیں سنتے ہیں) اور (باقی تمہاری شرارت آمیز باتیں جو سن لیتے ہیں تو اس کی وجہ یہ ہے کہ) آپ ان لوگوں کے حال پر مہربانی فرماتے ہیں جو تم میں ایمان کا اظہار کرتے ہیں (گو دل میں ایمان نہ ہو، پس اس مہربانی اور خوش اخلاقی کی وجہ سے تمہاری باتیں سن لیتے ہیں اور باوجود اس کی حقیقت سمجھ جانے کے درگذر اور خاموشی برتتے ہیں، پس ان باتوں کا سننا دوسرے طور کا ہے، تم نے اپنی حماقت سے اس کو بھی اوّل طور پر محمول کر لیا، خلاصہ یہ کہ تم یہ سمجھتے ہو کہ حقیقت کو حضرت نہیں سمجھتے اور واقع میں حقیقت کو تم ہی نہیں سمجھتے) اور جو لوگ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کو ایذائیں پہنچاتے ہیں (خواہ ان باتوں سے جن کے کہنے کے بعد اُذُنٌ کہا تھا یا خود اسی ہُوَ اُذُنٌ کے کہنے سے کیونکہ ان کا آپ کو اُذُن کہنا آپ کی تنقیص کے لئے تھا کہ معاذ اللہ آپ کو سمجھ نہیں جو کچھ سن لیتے ہیں اسکو مان لیتے ہیں) ان لوگوں کے لئے دردناک سزا ہوگی، یہ لوگ تمہارے (مسلمانوں کے) سامنے (جھوٹی) قسمیں کھاتے ہیں (کہ ہم نے فلاں بات نہیں کہی، یا ہم غزوہ میں فلاں عذر سے نہ جاسکے) تاکہ تم کو راضی کرلیں (جس سے ان کا جان و مال محفوظ رہے) حالانکہ اللہ اور اس کا رسول زیادہ حق رکھتے ہیں کہ اگر یہ لوگ سچے مسلمان ہیں تو اس کو راضی کریں (جو کہ موقوف ہے اخلاص اور ایمان پر) کیا ان کو خبر نہیں کہ جو شخص اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کرے گا (جیسا یہ لوگ کر رہے ہیں) تو یہ بات طے ہو چکی ہے کہ ایسے شخص کو دوزخ کی آگ اس طور پر نصیب ہوگی کہ وہ اس میں ہمیشہ رہیگا، (اور) یہ بڑی رسوائی (کی بات) ہے، منافق لوگ (طبعاً) اس سے اندیشہ کرتے ہیں کہ مسلمانوں پر (بذریعہ وحی پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم) کوئی ایسی سورت (مثلاً یا آیت) نازل نہ ہو جاوے جو اُن کو ان منافقین کے مافی الضمیر پر اطلاع دیدے (یعنی انھوں نے جو استہزاء کی باتیں خفیہ کی ہیں کہ مسلمانوں کے اعتبار سے وہ مثل ان اسرار کے ہیں جو دلوں میں پوشیدہ ہیں ان کی خبر نہ ہو جاوے) آپ فرما دیجئے کہ اچھا تم استہزاء کرتے رہو (اس میں ان کے استہزاء پر مطلع ہو جانے کو جتلا دیا، چنانچہ آگے خود ارشاد ہے کہ) بیشک اللہ تعالیٰ اس چیز کو ظاہر کرکے رہیگا جس کے (اظہار) سے تم اندیشہ کرتے تھے (چنانچہ اِسْتَهْزِئُوا میں ظاہر کر دیا کہ تم استہزاء کر رہے تھے) اور (ظاہر ہو جانے کے بعد) اگر آپ ان سے (اس استہزاء کی وجہ) پوچھیں تو کہہ دیں گے کہ ہم تو محض ہنسی اور خوش طبعی کر رہے تھے (اس کلام کے حقیقی معنی مقصود نہ تھے، محض جی خوش کرنے کو جس سے سفر آسانی سے قطع ہو ایسی باتیں زبانی کر رہے تھے) آپ (ان سے)

کہہ دیجئے کہ کیا اللہ کے ساتھ اور اس کی آیتوں کے ساتھ اور اس کے رسول کے ساتھ تم ہنسی کرتے تھے (یعنی خواہ غرض کچھ بھی ہو مگر یہ تو دیکھو کہ تم استہزاء کس کا کر رہے ہو جن کے ساتھ استہزاء کسی غرض سے بھی درست نہیں) تم اب (یہ بیہودہ) عذر مت کرو (مطلب یہ ہے کہ عذر مقبول نہیں، اور اس عذر سے استہزاء جائز نہیں ہو جاتا) تم تو اپنے کو مومن کہہ کر کفر کرنے لگے (کیونکہ دین کے ساتھ استہزاء مطلقاً کفر ہے، گو دل میں تو پہلے بھی ایمان نہ تھا، البتہ اگر کوئی دل سے توبہ کر لے اور مومن مخلص بن جائے تو البتہ کفر اور عذاب کفر سے چھوٹ جائے، لیکن اس کی بھی سب کو توفیق نہ ہوگی، ہاں بعض البتہ مسلمان ہو جاویں گے، اور وہ معاف کر دیئے جائیں گے، پس حاصل یہ ٹھہرا کہ) اگر ہم تم میں سے بعض کو چھوڑ بھی دیں (اس لئے کہ وہ مسلمان ہو گئے) تو ہم بعض کو (ضرور ہی) سزا دیں گے بسبب اس کے کہ وہ (علم ازلی میں) مجرم تھے (یعنی وہ مسلمان نہیں ہوتے)۔

معارف و مسائل

آیات مذکورہ میں بھی سابقہ آیات کی طرح منافقین کے بیہودہ اعتراضات اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایذا رسانی اور پھر جھوٹی قسمیں کھا کر اپنے ایمان کا یقین دلانے کے واقعات اور ان پر تنبیہ ہے۔

پہلی آیت میں مذکور ہے کہ یہ لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق بطور استہزاء یہ کہتے ہیں کہ "وہ تو بس کان ہیں" یعنی جو کچھ کسی سے سن لیتے ہیں اسی پر یقین کر لیتے ہیں، اس لئے ہمیں کچھ فکر نہیں، اگر ہماری سازش کھل بھی گئی تو ہم پھر قسم کھا کر آپ کو اپنی برات کا یقین دلا دیں گے، جس کے جواب میں حق تعالیٰ نے ان کی حماقت کو واضح فرما دیا، کہ وہ جو منافقین اور مخالفین کی غلط باتوں کو سن کر اپنے مکارم اخلاق کی بنا پر خاموش ہو رہتے ہیں اس سے یہ نہ سمجھو کہ آپ کو حقیقت حال کی سمجھ نہیں، صرف تمہارے کہنے پر یقین کرتے ہیں، بلکہ وہ سب کی پوری پوری حقیقت سے باخبر ہیں، تمہاری غلط باتیں سن کر وہ تمہاری سچائی کے قائل نہیں ہو جاتے، البتہ اپنی شرافت نفس اور کرم کی بنا پر تمہارے منہ پر تمہاری تردید نہیں کرتے۔

اِنَّ اللّٰهَ مُخْرِجٌ مَّا تَحْذَرُوْنَ، اس آیت میں یہ خبر دی گئی ہے کہ حق تعالیٰ منافقین کی خفیہ سازشوں اور شرارتوں کو ظاہر فرما دیں گے، جس کا ایک واقعہ غزوۂ تبوک سے واپسی کا ہے جب کہ کچھ منافقین نے آپ کے قتل کی سازش کی تھی، حق تعالیٰ نے آپ کو اس پر بذریعہ جبرئیل مطلع کر کے اس راستہ سے ہٹا دیا جہاں یہ منافقین اس کام کے لئے جمع ہوئے تھے۔

(مظہری عن البغوی)۔

اور حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ حق تعالیٰ نے ستر منافقین کے نام مع ان کی ولدیت اور پورے نشان پتے کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بتلا دیئے تھے، مگر رحمۃ للعالمین نے ان کو لوگوں پر ظاہر نہیں فرمایا (مظہری)

اَلْمُنٰفِقُوْنَ وَالْمُنٰفِقٰتُ بَعْضُهُمْ مِّنْۢ بَعْضٍ ۘ يَاْمُرُوْنَ بِالْمُنْكَرِ

منافق مرد اور منافق عورتیں سب کی ایک چال ہے سکھائیں بات بری

وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمَعْرُوْفِ وَيَقْبِضُوْنَ اَيْدِيَهُمْ ۭ نَسُوا اللّٰهَ

اور چھڑائیں بات بھلی اور بند رکھیں اپنی مٹھی، بھول گئے اللہ کو،

فَنَسِيَهُمْ ۭ اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ۝۶۷ وَعَدَ اللّٰهُ

سو وہ بھول گیا ان کو تحقیق منافق وہی ہیں نافرمان، وعدہ دیا ہے اللہ نے

الْمُنٰفِقِيْنَ وَالْمُنٰفِقٰتِ وَالْكُفَّارَ نَارَ جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۭ

منافق مرد اور منافق عورتوں کو اور کافروں کو دوزخ کی آگ کا پڑے رہیں گے اس میں

هِىَ حَسْبُهُمْ ۚ وَلَعَنَهُمُ اللّٰهُ ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ مُّقِيْمٌ ۝۶۸

وہی بس ہے ان کو اور اللہ تعالیٰ نے ان کو پھٹکار دیا، اور ان کے لئے عذاب ہے برقرار رہنے والا،

كَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ كَانُوْٓا اَشَدَّ مِنْكُمْ قُوَّةً وَّاَكْثَرَ اَمْوَالًا

جس طرح تم سے اگلے لوگ زیادہ تھے تم سے زور میں اور زیادہ رکھتے تھے مال

وَّاَوْلَادًا ۭ فَاسْتَمْتَعُوْا بِخَلَاقِهِمْ فَاسْتَمْتَعْتُمْ بِخَلَاقِكُمْ

اور اولاد پھر فائدہ اٹھا گئے اپنے حصہ سے پھر فائدہ اٹھایا تم نے اپنے حصہ سے

كَمَا اسْتَمْتَعَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ بِخَلَاقِهِمْ وَخُضْتُمْ

جیسے فائدہ اٹھا گئے تم سے اگلے اپنے حصہ سے اور تم بھی چلتے ہو

كَالَّذِيْ خَاضُوْا ۭ اُولٰۗىِٕكَ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فِي الدُّنْيَا

انہی کی سی چال، وہ لوگ مٹ گئے ان کے عمل دنیا میں